طلب میری جویان ہے تیرے کرم کی — یہ بیکس رفیق سفر ڈھونڈتی ہے

شفا کیا ہو مجھکو کہ اب فکرِ درمان — علاجِ دلِ چارہ گر ڈھونڈتی ہے

پسیجا نہ دل ابتک اُس سنگدل کا — دعا عرش پر کیا اثر ڈھونڈتی ہے

نہین بے سبب مضطرب آہ میری — یہ بے گھر ترے دل مین گھر ڈھونڈتی ہے

یہ خود گم ہوے ہم رہے جستجو مین — ہمین کو ہماری خبر ڈھونڈتی ہے

کئی بار آئی گئی صبحِ محشر — شبِ ہجر اب تک سحر ڈھونڈتی ہے

مجھے در بدر کیون پھراتی ہے وحشت — اسی گھر کو ڈھونڈے اگر ڈھونڈتی ہے

یہ کہتی ہے شوقِ تماشا سے حیرت — نظر مین ہے جسکو نظر ڈھونڈتی ہے

مسیحِ زمان بھی ہو کوئی تو کیا ہے — محبت تو دردِ جگر ڈھونڈتی ہے

تصور مین انکے ہے بند آنکھ میری — نہین ڈھونڈتی ہے مگر ڈھونڈتی ہے

بگولون مین چھپتا ہون وحشت کو دیکھو — یہ کمبخت غربت مین گھر ڈھونڈتی ہے

نہ معلوم لیلی پر کیا شب مین گزری — جو مجنون کو بادِ سحر ڈھونڈتی ہے

وہ ملتا ہے خود بے طلب دم کے دم مین — خدائی جسے عمر بھر ڈھونڈتی ہے

اُڑا لیگئی خود تڑپ تیری بلبل — قفس مین کہان بال و پر ڈھونڈتی ہے

دعا کرتے کرتے ہون لب خشک تو کیا — نگاہِ کرم چشمِ تر ڈھونڈتی ہے

وطن کا پتہ بھی نہین اور عبرت — خطون کو لیے نامہ بر ڈھونڈتی ہے

خزان مین پڑی اوس پھولون پہ ایسی — کہ شبنم کی چادر سحر ڈھونڈتی ہے

ہوس کو مبارک رہے دیر و کعبہ — محبت تری رہگذر ڈھونڈتی ہے

وہ بیٹھا ہے اپنے ہی دل کے اندر — تمنا جسے در بدر ڈھونڈتی ہے

مجلد اول | ماہ جمادی الاخرہ سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق اپریل سنہ ۱۷ء | عدد دہم

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

دفتر دار المصنفین ۱۸ فروری ۳۱ء کو بند ہو کر آج ۲۷ اپریل ۳۱ء کو کھلا، اب شہر وبا کے اثر سے بحمد اللہ پاک ہی، دار المصنفین کے تمام منتشر اجزا مجتمع ہو رہے ہین، دو پریس مین سے صرف ایک ۲۸ سے بشکل چل سکا، اسی بنا پر اپریل کا رسالہ دیر سے شائع ہوتا ہے، توقع ہے کہ آئندہ رسالہ وقت پر نکلے،

آخر خدا کی مرضی پوری ہوئی، دو ماہ شدید علالت کے بعد، میری رفیقۂ زندگی نے ۲۴ سال کی عمر مین اس عالم کو الوداع کہا، اُستاذ مرحوم کی وفات کے بعد یہ دوسرا سانحہ ہے، جسنے میرے سکون خاطر کو درہم کر دیا، اپنے یکسالہ صغیر السن بچہ کو چھوڑ کر بڑی بیکسی مین جان دی، یہ ۱۲ اپریل ۳۱ء کا واقعہ ہے لیکن ابتک حواس برجا نہین ہوئے، میری حیات منزلی کی اس بربادی کے غم مین، جن احباب نے تعزیت نامون کے ذریعہ سے شرکت کی ہے، اُن کا ممنون ہون، لیکن بہتر ہوتا کہ میرے بجائے دعائے خیر سے اُس مرحومہ کو یاد کرتے کہ اب میری قلبی تسلی اُسی کی روحانی تسلی مین ہی، خدا اُس پیکر عفت کو جوار رحمت مین جگہ دے،

مرحومہ نے تیرہ سال تک میری زندگی کی رفاقت کی، دس برس سے صحت خراب تھی، اور کبھی کامل صحت اُسکے تن زار کو میسر نہ آئی، علاج کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہوا، پچھلے دس برس مین اس انتشار حال اور پراگندگی خاطر کے باوجود مجھسے جو کچھ قوم وملت کی خدمتین انجام پا سکی ہین وہ بجائے خود تعجب انگیز ہین کہ اس طویل عرصہ مین کبھی میرے دل و دماغ نے فراغ خاطر نہ پایا،

مین مرحومہ کی زندگی مین غالب مغفور کا یہ شعر پڑھا کرتا تھا،

> فرصت کشاکشِ غمِ پنہان سے گر ملے — مین بھی تمھین بتاؤن کہ مجنون نے کیا کیا

اُس پیکرِ وفا نے اپنی جان دیکر مجھے، علم وملت کی خدمتگذاری کے لیے کشاکشِ غمِ پنہان سے فرصت عطا کی، لیکن ایک ایسا کانٹا دل مین چبھکر رہ گیا جو شاید عمر بھر نہ نکلے،

> عمر کو بھی تو نہین ہی پائیداری ہائے ہائے — عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
>
> تو نے پھر کیون کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے — تیرے دل مین گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
>
> ایک دل تِس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے — گوش محرومِ پیام و چشم محرومِ جمال

مولانا سید کرامت حسین غفر اللہ لہٗ کی ناگہانی موت، گو عام دنیاے علم کے لیے کچھ کم باعث حسرت نہین ہے، لیکن ہمارے لیے اُس سے زیادہ غم افزا ہے، مرحوم ہماری مجلس کے نائب صدر تھے، اور ہمیشہ اپنے قیمتی مشورون سے انھون نے ہماری اعانت کی ہے، مرحوم "المرآۃ" نام ایک ضخیم کتاب، عورتون کے حقوق وخصائص پر تصنیف فرما رہے تھے، اُنکی سادگی، اخلاص کا ایثار، اور خالص علمی خدمات ہمیشہ یادگار رہینگی،

حضرت خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی میر اثر دہلوی، اپنے زمانہ کے مشہور شاعر تھے، تصوف کو بے تکلفی، سہل وروان اُردو غزلون مین ادا کرنا، انھین دونون بھائیون پر ختم تھا، اُن کی مثنوی

خواب وخیال اُردو زبان کا ایک انمول سرمایہ ہے، سال تصنیف ۱۲۵۲ھ ہے، یہ مثنوی کمیاب ہے، شمس العلماء محمد حسین آزاد، آبحیات مین ایک دو فقرہ سے زیادہ اسپر نہ لکھ سکے، شاید یہ مثنوی انھین ہاتھ نہ آئی، مولانا حالی بھی مقدمۂ دیوان مین اپنا ندیکھنا ظاہر کرتے ہین، ہم اپنے دوست مولوی بشیر الحق صاحب سب انسپکٹر مدارس کے بہت ممنون ہین کہ انکی وساطت سے یہ مثنوی، مستعار ہمین ہاتھ آگئی، امید ہے کہ کسی آیندہ اشاعت مین، ہم اس مثنوی کے مطالعہ کی مسرتون مین اپنے دوستون کو بھی شریک کرینگے،

نامورانِ اسلام کا جو سلسلہ مولانائے مرحوم نے شروع کیا تھا، الفاروق، اور المامون کے سوا اس سلسلہ مین کوئی اور کتاب شائع ہو سکی مولانا نے تمام اسلامی فرمانروا خاندانون کو پیش نظر رکھکر ہر خاندان کا ایک ہیرو قرار دیدیا تھا، اور وہ نقشہ المامون کے دیباچہ مین شائع بھی فرما دیا ہے، سیر الصحابہؓ کی تصنیف سے اب بعض رفقائے دار المصنفین کو سبکدوشی ہوئی ہے، اسلیے وہ پرانا خواب پھر یاد آنا شروع ہوگیا، اور اس سلسلہ کی تکمیل ضروری خیال کی گئی ہے، احباب بھی اسکی تکمیل کے لیے مُصر ہین بالفعل خاندان اموی کے ہیرو کی تاریخ منتخب کی گئی ہے، مولانا نے سلیمان بن عبد الملک کو اس خاندان کا ہیرو قرار دیا ہے، غالبًا یہ انتخاب فتوحات کی وسعت کی بنا پر تھا، ورنہ مخصوص حیثیتون کی بنا پر یہ فخر حضرت عمر بن عبد العزیز کو حاصل ہونا چاہیے تھا، اسی بنا پر سلسلۂ نامورانِ اسلام کے اُموی عہد کے لیے دار المصنفین نے اسی نامور کی زندگی پر قرعۂ انتخاب ڈالا ہے،

معارف کی ستائش اور قدر شناسی سے، جن اخبارات، رسائل، اور ذاتی احباب واعزہ نے ہماری حوصلہ افزائی کی ہے ان مین سب سے زیادہ سزاوار ممنونیت، مولانا **حبیب الرحمان خان** شروانی صدر اجلاس شانزدہم ندوۃ العلماء، مدراس کا وہ فقرہ ہے جو مولانائے ممدوح نے خطبۂ صدارت مین ارشاد فرمایا کہ "معارف کا وجود ندوۃ العلماء کی کامیابی پر ایک برہان قاطع ہے"،

طاؤس را ز نقش و نگارے کہ ہست خلق ... تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے نام سے، جرمن، فرنچ، اور انگریزی زبان مین جو انسائیکلوپیڈیا لکھی جارہی تھی افسوس کہ تین جلدون کے بعد اُسکی تصنیف موقوف ہوگئی، بیان ہے کہ کثرت مصارف کے باعث یہ خیال متروک ہوا، لیکن عجب نہین کہ موجودہ جنگ کے قانون بین الاقوامی کی شکست نے اس سلسلہ علمی کو درہم کر دیا، گو یہ سلسلہ کچھ زیادہ کاوش اور تحقیق سے نہین لکھا جارہا تھا تاہم آیندہ کام کرنیکی ایک شاہراہ تو تیار ہو رہی تھی،

خواجہ حسن نظامی صاحب کے محرم نامہ پر جو تنقید مین نے الناظر لکھنؤ کے (جنوری ۱۸ء) مین لکھی تھی اطراف ملک سے جو خطوط آئے ہین اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تنقید کے لکھنے کی شدید ضرورت تھی اس کتاب کو پڑھکر بعض قلوب مین صحابہ کرام کی نسبت جو سوءِ ظن کے شبہات پیدا ہو گئے تھے، وہ دفعتہ کافور ہوگئے، بعض احباب لاعلمی کی بنا پر اسکی طرف متوجہ کرتے ہین اور اسپر تنقید کی فرمائش کرتے ہین، اُن کو چاہیے کہ رسالہ مذکور کی ایک کاپی منگوالین،

مسلمانون کی جدید ترقی ابھی زمانۂ طفولیت مین ہے، اسی لیے مسلمان رہبرون اور لیڈرون کی حالت ابھی تک بالکل بچپن سی ہے، کبھی ایک چیز کی طرف دوڑتے ہین اُسکے لینے کو ضد کرتے ہین روتے ہین، چلاتے ہین شور کرتے ہین، مچلتے ہین کہ دفعتہ ایک اور چیز سامنے آجاتی ہے اُسکے لینکو جھپٹتے ہین، ملجاتی ہے تو خوش ہوتے ہین، اچھلتے ہین، کودتے ہین، اور یہ مطلق تصور نہین ہوتا کہ

پہلے ہمارا ہاتھ ایک قیمتی متاع کی طرف بڑھا تھا، اور اب دیکھو صرف ایک چینی کی گڑیا ملی ہے، زیادہ
نہین صرف مسلم یونیورسٹی کی تاریخ اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ تو نظر آجائیگا کہ عظیم الشان مجلس جامعہ اسلامیہ
کا تمامتر کارنامہ بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقیع نہین ہے، ۸ اپریل [illegible]ء کا فیصلہ اگر درست ہے تو بیکار ریت
و عمل مین چار برس کی عمر عزیز کیون ضائع کی، احرار کی بے معنی جماعت ہندوؤن کی تقلید کے پر فریب
دلیل کی رہنمائی مین جس مقام پر آکر ٹھری ہے وہ ایک قدیم شاعر کے سوادِ نجد سے زیادہ تسلی بخش نہین،

واحسرتا کہ پہنچا جون ہی تا سوادِ نجد — بولا یہ ساربانِ سیہ دل پکار کے
او نامراد ناقۂ لیلےٰ، نہین ہے یہ — آتا ہے کس امید پہ پیچھے غبار کے

۷-۸-۹- اپریل [illegible]ء کو ندوۃ العلماء کا اجلاس، شہر مدراس مین بخیر و بخوبی انجام کو پہنچا،
لیکن افسوس ہے کہ اس خوشی و مسرت کے اجتماع مین ہماری جماعت کا کوئی ممبر شریک نہو سکا، بزرگان
مدراس کے اصرار اور پیہم تار اور خطوط کے باوجود بھی نہ خاکسار جا سکا، اور نہ مولانا مسعود علی ندوی، اور
نہ مولانا عبد السلام ندوی جا سکے، اتفاقات اور عوائق کچھ ایسے پیش آئے کہ ہر شخص جہان تھا وہین
پا بگل ہو کر رہ گیا، بزرگان مدراس سے امید ہے کہ وہ ہماری مجبوریون کو ناقابل التفات
نہ سمجھین گے، جناب مولانا عبد السبحان صاحب رئیس مدراس کی دلشکنی کا ہمین خاص طور سے
رنج ہے لیکن کیا کیا جائے کہ ع انّ الامور بِاَقدارِھا،

انقلاب الامم، جسکا پچھلے پرچہ مین ناظرین سے تعارف کرایا گیا تھا، وہ چھپکر اب تیار ہے،
شائقین درخواستین بھیج سکتے ہین، قیمت عہ، طبع و کاغذ اعلےٰ،

مقالات

نظام اور اُسکا فلسفہ

داستانِ عہد گل را از نظیری بشنوید — بلبلان آشفتہ تر گفتند این افسانہ را

فلسفہ کسکا نام ہے؟ اور اسکی حقیقت کیا ہے؟ ہماری عربی خوان جماعت بے تامل کہدیگی کہ ان
[illegible]ص مباحث کا جو ہیولیٰ اور صورت سے لیکر نفس تک کے مسائل پر محتوی ہین، اور جو بلا تحریف
[illegible] و زیادہ، ابو علی سینا کے عہد سے فاضل خیرآبادی کے زمانہ تک ایک ہی عبارت ایک ہی
اور ایک ہی نہج سے بار بار دہرائے جا رہے ہین، شیخ شہاب الدین کی حکمۃ الاشراق نہوتی تو
[illegible] مشائیہ اور اشراقیہ کی دو علیحدہ جماعتین جو ہمکو معلوم ہین وہ بھی معلوم نہو سکتین، علامہ ابن تیمیہ نے
[illegible] اپنی تصنیفات مین اس عالمگیر جہالت پر ماتم کیا ہے،

فلاسفۂ یونان، قدیم حکماے اسلام اور موجودہ علماے فرنگ کے نزدیک فلسفہ کی اس سے بالکل
[illegible]قت جدا ہے، کائنات کے چہرہ پر حیرت اور سرگردانی کی جو سیاہ نقاب پڑی ہے، گستاخ ہاتھ اسکو
[illegible] کھینچکر الٹ دینا چاہتے ہین، لیکن نازنینِ فطرت اپنی نقاب کے بند و گرہ اس مضبوطی سے تھامے
[illegible]ے ہے کہ وا تو نہین ہوا لیکن کہین کہین سے پیراہنِ حجاب کے تار نکل گئے ہین، اِن روزنون سے
[illegible]ہون نے جو کچھ دیکھا وہ انکا فلسفہ ہے،

ہر صاحب فکر اپنے فہم و دانش کے مطابق، کائنات کے اسرار کی تحلیل اور اسکو ایک خاص
نظام مین ترتیب دینے مین اپنے خیالات جن منتظم اور مرتب صورت مین پیش کرتا ہے، اور جن سے
اگر عالم کو نہین، جماعتِ کثیر کو نہین، تو کم از کم اسکے قلب مین تسکین پیدا ہوتی ہے، یہی اسکا فلسفہ ہے،
یونان مین فلسفہ کے بیسیون اسکول تھے، آجکل یورپ مین ہر فلاسفر کا ایک مستقل نظام فلسفہ ہے

بغداد مرحوم جب زندہ تھا، اسکے آغوش تربیت مین ایسے سینکڑون ارباب کمال پلکر جوان ہوئے جنکے بازوؤن مین زور اور عقل و دماغ مین جوش تھا، وہ نچلے نہ بیٹھے اور دوسرون کے سہارے چلنا پسند نکیا، ہر تیغ زن نے اپنی قوت کو آپ آزمایا، اور یونان کی غلامی سے اپنے کو آزاد کیا، ان مین سے ہرایک کا جداگانہ فلسفہ تھا، اور عقلیات مین انکا ایک جداگانہ مسلک تھا،

ملل ونحل اور فرق اسلامیہ کی تاریخ مین ایسے سیکڑون بزرگون کے نام ملتے ہین جنکے انتساب سے الگ الگ فرقے پیدا ہوئے، ان مین سے ہرایک فرقہ کو زندگی کا جتنا حصہ ملا تھا، اسکو ختم کرکے کچھ نو عمری مین کچھ شباب کو پہنچکر، اور کچھ عہد پیری گذار کر رخصت ہو گئے،

غلطی یہ ہی کہ ان مین سے ہرایک کے مخترعات اور نظام فلسفہ کا مخاطب کھینچ تان کر مذہب دبنایا گیا، اسلئے وہ مختلف فرقون مین ایمان وکفر کے معیار قرار پا گئے، حالانکہ اب کوئی دیکھے تو انکو مذہب سے ایک ذرہ بھی تعلق نہین، اس سے زیادہ شدید دردناک واقعہ یہ ہی کہ قدما کی تصنیفات خصوصاً باہمی تعصب یا ہماری بدمذاقی کی نذر ہو گئین، اب جو کچھ جستہ جستہ انکے اقوال ملتے ہین تو انکے مخالفین کی کتابون مین، جنھون نے رد و اعتراض کے لئے اپنی تصنیفات مین انکا ذکر کیا، اسلئے ان مسائل کی حیثیت ان کتابون مین وہی ہے جو کسی مسلمان عالم کے دعوون کی کسی عیسائی مصنف کی تصنیف مین ہو سکتی ہی، کہین ان مسائل کی تضعیف کیلئے قصداً انکو کمزور عبارتون مین ادا کیا ہی، کہین انکے لازمی نتائج کو لیکر بدنما اور مضحکہ انگیز صورت مین انکو پیش کیا، کہین مجرد دعوی انکے اصلی دلائل کے بغیر ادہر اودہر درج کر دیا ہے، کہین اسکے اصل مسئلہ کی غلط تعبیر کیگئی، ظاہر ہی کہ اگر صحیح سے صحیح اصول کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جائے تو وہ بھی حماقت اور مضحکہ کے سوا کچھ اور نہ رہجائیگا،

انہین بد قسمت مصنفون مین سے ایک ابراہیم بن سیار بھی ہی جو اپنے نام سے زیادہ اپنے لقب **نظام** سے مشہور ہی، اور مسلکاً معتزلی کہلاتا ہے، اس کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اواخر

اور تیسری صدی کا اوائل ہی، علم کلام نے جن ارباب کمال کے آغوشون مین تربیت پائی ہی، ان مین نظام کا نام سب سے روشن ہی، خلیفہ **مہدی** کے عہد مین، یحیٰ بن خالد برمکی وزیر خلافت نے علم کلام کی جو مجلس قائم کی تھی، اسکے ۱۳ ممبرون مین سے ایک نظام بھی تھا،

نظام، ابو الہذیل المتوفی ۲۳۵ھ کا جو علم کلام کا سب سے پہلا مصنف ہی، شاگرد تھا اس نے اس دولت علمی کو جو اسکو اپنے استاد سے حاصل ہوئی تھی ضائع نہین کیا، بلکہ اپنے شاگردون مین سے ایک ایسے شخص کو سپرد کیا، جسکو دنیا **جاحظ** کے نام سے جانتی ہی، جاحظ سا ہمہ دان باکمال تمام تر نظام کا تربیت یافتہ تھا، مامون الرشید کا فضل وکمال بھی اسی نظام کا رہین منت ہی، نظام خلیفہ مامون کا استاد بھی تھا، اور ندیم خاص بھی،

مامون کے عہد مین یونان کے تراجم بغداد کے علمی حلقون مین پھیل چکے تھے، ارسطو کی اکثر تصنیفات عربی زبان مین ترجمہ ہو چکی تھین، اکثر لوگ یہ سمجھتے ہین کہ فرقہ معتزلہ اور اسکا علم کلام، یونانی تراجم کے مطالعہ کا ردعمل تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فرقہ اس عہد سے چالیس پچاس برس پہلے پیدا ہو چکا تھا، لیکن بے شبہہ صحیح ہی کہ ان تراجم نے انکے اصول وخیالات مین ترقی و وسعت پیدا کی، جسطرح اشاعرہ مین امام الحرمین امام غزالی کے استاد پہلے شخص ہین جنھون نے اشاعرہ کے علم کلام کو فلسفہ سے آشنا کیا اسی طرح معتزلہ مین نظام پہلا شخص ہی، جس نے اعتزال اور فلسفہ کی سرحد باہم ایک کردی، شہرستانی نے ملل ونحل مین لکھا ہے،

وقد طالع کثیراً من کتب الفلاسفة	نظام نے اہل فلسفہ کی بہت سی کتابین مطالعہ کین،
وخلط کلامهم بکلام المعتزلة،	اور انکے خیالات کو معتزلہ کے خیالات سے آمیز کر دیا،

لیکن اسمین شک ہی کہ ارسطو کے خیالات کی اُس نے کس حد تک قدر کی، اور اسکے دلائل کی قوت سے وہ کس درجہ مرعوب ہوا، ذیل کے واقعہ سے اسکا اندازہ ہو سکیگا، ایک دفعہ اُس نے جعفر برمکی سے

کہا کہ مین نے ارسطو کی ایک کتاب کا رد لکھا ہے، جعفر نے طعن سے کہا کہ تم اس کا رد کیا لکھو گے تم اسکی کتاب کو پڑھ بھی نہین سکتے، نظام نے کہا، آپ کیا چاہتے ہین؟ ارسطو کی کتاب کو اول سے آخر تک سنا دون، یا آخر سے اول تک، یہ کہکر اس نے ارسطو کی عبارت پڑھنی شروع کی، اور ساتھ ساتھ اسکا رد بھی کرتا گیا،[٥١]

آج اسلام کے ایک بلند پایہ متکلم کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہی کہ اسکو اسلام کے تمام حریف مذاہب اور مخالف فرقون سے کامل اور تحقیقی واقفیت ہو، نظام اپنے عہد مین اس معیار سے فروتر نہ تھا، یہود، نصاریٰ، مجوس، ثنویہ، مانویہ، دہریہ، اس نے عہد شباب مین ان سب کی صحبت اٹھائی تھی اور انکے خیالات اور تصنیفات سے کامل واقفیت بہم پہنچائی تھی، تورات و انجیل کا حافظ تھا، ان مین سے اکثر فرقون کی تردید پر اس نے مستقل کتابین لکھی ہین،

نظام کے خیالات اور مسائل مخترعہ نے ارباب عقل و نقل دونون گروہون مین تلاطم اور ہیجان پیدا کر دیا، مذہبی فرقہ مین اسکی بدنامی کے لئے اتنا کافی تھا کہ وہ مدتون نامسلمانون کی صحبتون مین شریک رہا، چنانچہ امام عبدالقاہر بغدادی اشعری المتوفی ۴۲۹ھ، اپنی کتاب الفرق مین لکھتے ہین،

"عہد شباب مین ثنویہ (دو خدا کے قائل) اور سمینہ جو ہر مسئلہ مین ہر دو جانب کے دلائل کے برابر ہونیکے قائل ہین، انکو لاادریہ اور شکّکین سمجھنا چاہیے) کے ساتھ رہا، اور کسی قدر زیادہ سن پہنچنے پر وہ ملحد فلسفیون کی صحبت مین رہا، پھر ہشام بن حکم رافضی کی بیعت اختیار کی، اور اس سے اور ملاحدہ سے ابطال جز الذی لایتجزیٰ کا مسئلہ سیکھا، اور اسپر طفرہ کی بنیاد ڈالی جو کسی کے وہم مین بھی نہین گذرا تھا، ثنویہ سے یہ عقیدہ سیکھا کہ جو عدل کا فاعل ہی وہ کبھی ظلم کا فاعل نہین ہو سکتا، ہشام بن الحکم سے اس مسئلہ کی تعلیم پائی کہ رنگ، مزہ، بو، آواز یہ سب جسم ہین، اسی بدعت پر ایک ہی چیز مین مختلف اجسام کے

[٥١] ملل ونحل ابن مرتضیٰ زبیدی، ترجمہ نظام، [٥٢] الفرق بین الفرق مین عبدالقاہر بغدادی نے ضمناً ان کتابون کا نام لیا ہ

تداخل کا مسئلہ اختراع کیا، ثنویہ کے اعتقادات، فلاسفہ کے بدعات، اور ملاحدہ کے شبہات مذہب اسلام مین داخل کئے، برہمنون کا یہ عقیدہ کہ نبوت کوئی شے نہین ہی اسکو بہت پسند آیا لیکن تلوار کے ڈر سے علی الاعلان اس مسئلہ کا اس نے انکار نہین کیا بلکہ اس مسئلہ کا کہ قرآن فصاحت و بلاغت مین معجزہ ہی اور آنحضرت کے دیگر معجزات کا انکار کر دیا، (صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۴)

علامہ سمعانی وغیرہ بعد کے مصنفین اشاعرہ نے نظام پر جو الزامات قائم کئے ہین، وہ امام موصوف ہی کے الفاظ کی صدائے بازگشت ہی، ان سے پہلے قدمائے اشاعرہ مین سے جن لوگون نے نظام کا رد لکھا ہے، ان مین سب سے پہلے خود امام ابوالحسن اشعری ہین، جنھون نے اسکی تردید مین تین کتابین لکھی ہین، قاضی ابوبکر باقلانی جو سرآمد اشاعرہ ہین، انھون نے نظام کے اصول کی تردید مین ایک ضخیم کتاب تصنیف کی،

بدقسمتی نظام کے ساتھ یہ برتاؤ صرف اُسکے مخالفون ہی کی طرف سے نہین ہوا، بلکہ اسکے دوستون نے بھی اسکے ساتھ اس سے کم حسن سلوک مرعی نہین رکھا، ابوالہذیل جو اسکا استاد تھا، بغرض حقیقتِ انسان اور جزء الذی لایتجزیٰ کے بارہ مین جو اسکی تحقیقات ہین، انکی تردید کی، قاضی جبائی نے جنکا شمار اکابر معتزلہ مین ہی اس مسئلہ کی بنا پر کہ خدا ظلم پر قادر نہین، اسکو کافر ٹھرایا، جعفر بن حرب نے جز الذی لایتجزیٰ کے مسئلہ مین اسکی تکفیر کی،

نظام کفر کا مجرم ہو یا نہو لیکن ضرورت ہی کہ گیارہ سو برس کے بعد اسکے خیالات کا جائزہ لیا جائے، اور سنا جائے کہ آخر کہنا کیا چاہتا ہی، مگر مشکل یہ ہی کہ اسکے خیالات کا کوئی صحیح اور کامل مرقع ہمارے سامنے موجود نہین، اشاعرہ کے کتب کلام مین اسکے جستہ جستہ فقرے موجود ہین، خوش قسمتی سے جنوری ۱۹۱۰ء مین امام ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی الاشعری المتوفی ۴۲۹ھ کی ایک تصنیف الفرق بین الفرق، برلن کے ایک کتبخانہ سے منقول ہو کر مصر سے شایع ہوئی ہی، امام موصوف نے

تردیداً نظام کے اکثر اصول اپنی کتاب مین نقل کیے ہین، تاہم انھون نے استیعاب نہین کیا ہے،

چنانچہ لکھتے ہین:

ونحن نذکر فی ھذہ الکتاب ما ھو المشھور من فضائحہ (۱۱۵)

ہم اس کتاب مین اسکے سوا کن مسائل مین سے صرف مشہور مسائل کا ذکر کرتے ہین،

امام موصوف نے نظام کے منتشر خیالات ۱۲ مختلف دفعات مین لکھے ہین، ان منتشر خیالات کو کسی ایک نظام یا مسلسل فلسفہ کی صورت مین پیش کرنا مشکل ہی، تاہم جہانتک ممکن ہی اس مین نظم واتصال پیدا کرنیکی کوشش کیجائیگی تاکہ کم ازکم اسکے خیالات کا دھندلا سا خاکہ بھی منظرِ عام پر آجائے، اسکے مخترعات مین بعض ایسے مسائل بھی ہین جنکو موجودہ مسائلِ فلسفہ طبعیہ والٰہیہ سے بہت کچھ توارد ہے،

مسئلہ خیر وشر دنیا مین دو چیزین الگ الگ موجود ہین، ایک خیر اور دوسری شر، خدا سرتاپا خیر ہے اُس سے شر صادر نہین ہوسکتا، ایرانیون نے اسی بنا پر شر کے لئے ایک اور خالق بنایا جسکو وہ اہرمن کہتے ہین، اس زمانہ مین عراق جو گویا ایران کا ٹکڑا تھا، حکومت اور علم دونون کا مرکز تھا، اسی بنا پر متکلمین اسلام نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ توجہ کی، اور یہی مسئلہ بہت سے مختلف فیہ مسائل کا مبنیٰ ہی، اسلام کے تمام فرقے اس امر پر متفق ہین کہ خداے عزوجل کی ذات ہر قسم کے کمالات کا منبع ہر قسم کے محاسن کا مصدر، اور ہر قسم کے صفات حسنہ کا مرکز ہے، اور وہ تمام برائیون سے پاک اور بدیون سے منزہ ہے، اور ہمیشہ اُسکے افعال ایسے ہی ہوتے ہین، جو تمام مخلوقات کے لیے نفع اور خیر ہی لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہی کہ اپنے مخلوقات کے مصالح کے خلاف اس سے کوئی فعلِ شر سرزد ہو، اشاعرہ اور معتزلہ کا اسکے متعلق مختلف جواب ہے،

اشاعرہ کہتے ہین چونکہ اسکو ہر قسم کی قدرت علی الاطلاق حاصل ہی، اسلئے ایسا ہونا محال نہین

ممکن ہی کہ وہ اپنی وسعت قدرت کے لئے کبھی ایسا کرے بھی، معتزلہ کی دو بڑی شاخین ہین، بصریین اور بغدادیین، اور بعض امور مین انکا اختلاف بھی ہے، بصریین کہتے ہین، عقلاً تو یہ محال نہین لیکن عادتاً محال ہی، یعنی ازروے عقل خدا سے مصالح عباد کے خلاف کسی فعل کا صدور ممکن ہے، کہ ھو علی کل شیئ قدیر (بقرہ) وہ ہر شئے پر قادر ہے، لیکن خدا کی یہ عادت نہین ہے کہ بندون کی بھلائی اور نیکی کے سوا وہ کوئی اور کام کرے جو قبیح اور شر ہو، بغدادیین اسکے عقلاً اور عادۃً دونون کے محال ہونیکے قائل ہین،

اس مسئلہ کی اصلی گرہ کشائی تو ابن رشد نے کی ہے، کہ مغالطہ کی اصل بنیاد دعوٰی کا پہلا ہی مقدمہ ہے یعنی یہ کہ دنیا مین خیر وشر دو الگ الگ چیزین مستقلاً موجود ہین، خیر وشر ایک صفت ہے جو موقع استعمال کے اختلاف سے افعال کو عارض ہوتی ہی، ورنہ فعل بجاے خود نہ خیر ہی نہ شر، لیکن نظام بھی اس نکتہ سے غافل نہ تھا، وہ کہتا ہی کہ خدا سے کوئی فعل نہ ایسا صادر ہوتا ہے نہ ہوسکتا ہی جو شر ہو، اور مخلوقات کے مصالح کے خلاف ہو، بلکہ خدا شر پر قدرت ہی نہین رکھتا،

یہ کہنا کہ خدا مین بعض چیزون کی قدرت نہین، ایک مکروہ اور ناگوار اور خلاف ادب فقرہ ہی، اسی لئے مخالف فرقون نے نظام کو اس عقیدہ پر نہایت ملامت کی، لیکن مکروہ اور خلاف ادب ہونا اور بات ہے، اور اس کا واقعیت پر مبنی ہونا اور بات ہی، اس مسئلہ کے جواب مین کہ خدا اپنی نظیر آپ پیدا کر سکتا ہی یا نہین، اشاعرہ کے ہان بھی جواب یہی سنا ہی کہ خدا محالات پر قادر نہین،

عالم دفعتہً بنا عالم یعنی یہ مجموعۂ کائنات مع ان تمام اشیاء کے جو ازل سے اس وقت تک پیدا ہوئین، اور اسوقت سے قیامت تک پیدا ہونگی، ہمکو بظاہر نظر آتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ مخلوق ہوتی ہین، نظام کہتا ہی کہ حقیقت مین ایسا نہین ہی آغاز خلقت سے قیامت تک جو کچھ پیدا ہونا تھا وہ دفعتہً اور یکبارگی پیدا ہوا ہے، تم سوال کروگے کہ یہ تو بداہتہً غلط ہے، کوئی شے آج پیدا ہوتی کوئی کل ہوتی ہی، کوئی

پرسون ہوتی ہے کوئی برسون کے بعد ہوتی ہے، **نظام** اسکے جواب مین کہتا ہی کہ "خلق" اور "ظہور" دو چیزین ہین، مخلوق تو تمام مجموعۂ کائنات ایک ساتھ ہی ہوا ہی، البتہ تمہارے سامنے اس کا ظہور بہ ترتیب اور بتدریج ہوتا ہے،

اسکی مثال یہ ہی کہ تم ایک دریا کے ساحل پر کھڑے ہو، تم دیکھتے ہو کہ پانی روانی کے ساتھ ایک طرف سے آتا ہی اور دوسری طرف سے نکل جاتا ہے، تم سمجھتے ہو کہ یہ موجین چند منٹ پہلے نہین اب آگئین، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد فنا ہوگئین، لیکن تمہارے تخیل کا شہپر اگر تم کو اڑا کر ایک ایسے مقام پر کھڑا کردے جہان سے تمہاری نظر تمام دریا کے طول وعرض پر محیط ہو تو معلوم ہوگا کہ دریا کا قطرہ قطرہ پہلے سے موجود ہی، البتہ اسکا ظہور پہلی بار ہمارے سامنے بتدریج اور رفتہ رفتہ ہوتا تھا،

اشاعرہ نے اس پر اعتراض کیا ہی کہ اس سے لازم آتا ہی کہ باپ، مان، اولاد ایک ساتھ مخلوق ہون، اسکا جواب وہی ہے جو الست بربکم قالوا بلی، کی تفسیر مین ہر مفسر کہتا ہی کہ خدا نے تمام کائنات کو یک دفعہ مخلوق کرکے اُنسے خطاب کیا کہ کیا مین تمہارا پروردگار نہین، سب نے کہا، ہان کیون نہین،

علاوہ ازین اس مسئلہ پر ذرا غور سے نظر ڈالو، عالم مین دو چیزین ہین، ذی روح اور غیر روح، جو غیر ذی روح ہین، اُنکا ظہور وفنا صرف مادہ کے تغیر صورت کا نام ہے، جو ذی روح ہین وہ دو چیزون سے مرکب ہین، روح اور جسم، جسم کا وجود اور فنا بھی وہی مادہ کے تغیرات ہین روح کی نسبت تم بھی سمجھتے ہوگے کہ وہ روز روز پیدا نہین ہوتین، بلکہ خدا نے ازل مین ایکدفعہ اُنکو پیدا کردیا، اُن کا وجود وفنا ایک انسان کی نگاہ مین صرف مادیات کے ساتھ انکے تعلق وقطع تعلق کا نام ہے،

تجدد امثال

لیکن اس حالت مین کیا عالم ایک غیر متبدل تصویر ہے، نقاش ازل نے جس مین جو رنگ ایک دفعہ بھردیا وہ ہمیشہ کیلیئے رہ گیا، اگر ایسا ہی تو عالم مین یہ نیرنگیان کیونکر ہین، اور اس حالت مین خدا کی ضرورت کیا ہوگی؟ اس کا جواب **نظام** کا ایک اور نظریہ ہے جسکو قدیم اصطلاح کے مطابق "مسئلہ تجدد امثال" کہیئے، یا اب اسکی بجائے اس سے زیادہ سہل "تجدد ذرات" کی اصطلاح قائم کیجئے،

اسکی تشریح یہ ہی کہ عالم اور عالم کی ایک ایک چیز ہر آن مین بدلتی جاتی ہی، خدا اسکے پرانے اجزا کو ہمیشہ علیحدہ کرتا اور نئے اجزا کو داخل کرتا رہتا ہی، یہانتک کہ ایک مدت کے بعد کسی مخلوق کے جسم مین سابق اجزا کا ایک ذرہ بھی باقی نہین رہجاتا لیکن چونکہ فوراً پرانے اجزا کی جگہ نئے اجزا قائم ہوتے رہتے ہین، اسلیئے عام لوگون کو اس تغیر کا احساس نہین ہوتا،

نظام کی اس تحقیق کی اور لوگون نے تو یہ داد دی، کہ انکو باور نہین آتا کہ دنیا مین کوئی ایسا بیوقوف بھی ہوسکتا ہی جو اس درجہ حماقت کی باتین کرے، لیکن ارباب کشف وتصوف مین یہ خیال نہایت مقبول ہوا، مولوی روم فرماتے ہین،

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے است	مصطفےٰ فرمود دنیا ساعتے است
ہر نفس نو می شود دنیا و ما	بے خبر از نو شدن اندر بقا
عمر ہمچون جوے نو نو می رسد	مستمرے می نماید در جسد
آن ز تیزی مستمر شکل آمدہ است	چون شرر کش تیز جنبانی بدست
شاخ آتش را بجنبانی بساز	در نظر آتش نماید بس دراز

مولوی روم اسکی مثال چنگاری سے دیتے ہین، ایک چنگاری کو اٹھا کر گردش دو تو یہ مشتعل نقطہ ایک مشتعل دائرہ کی صورت مین نظر آئیگا، حالانکہ خوب معلوم ہی کہ چنگاری جب پہلی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ آئی تو وہ پہلی جگہ پر موجود نہ تھی، اور جب دوسری جگہ سے تیسری جگہ گئی تو دوسری جگہ موجود نہ تھی لیکن چونکہ اس تیزی سے اُسکی گردش ہی کہ اسکے سابق مقام کے فنا کا احساس تک نہین ہوتا،

مولانا بحر العلوم مثنوی کی شرح مین لکھتے ہین،

''بیان است مر مسئلہ تجدد امثال را و آن این است کہ صور ہمہ کائنات در ہر آن متبدل می شود
کہ در آن صورتے معدوم می شود، و صورت اخریٰ دران موجود می شود با وحدت عین، و این نیست کہ
یک صورت باقی باشد در دو آن، لیکن چونکہ صورت زائلہ شبیہ صورت حادثہ است حس این تبدل
نمی یابد و گمان بردہ می شود کہ ہمان صورت مستمر است''

یہ مسئلہ کہ جسم کے ذرات ہر لحظہ بدلتے رہتے ہین، اب تحقیقات جدیدہ سے بھی ثابت ہے،
اور اب یہ طبعیات کا ناقابل انکار مسئلہ بن گیا ہے،

انسان اس حالت مین مذہبًا اور عرفًا دونون طریقون سے یہ سوال ہوسکتا ہی کہ اگر انسان ہر وقت
بدلتا رہتا ہی اور آخر ایک وقت وہ آتا ہی کہ وہ کوئی نیا انسان بنجاتا ہی، تو پھر کیونکر زید کو چند سال کے بعد
وہی پرانا زید کہہ سکتے ہین، اور جب نہین کہہ سکتے تو ہمارے وہ تمام معاملات اور معاہدے جو چند
سال پہلے زید نامی ایک شخص سے ہوئے تھے، وہ دوسرے زید پر عائد ہوسکتے ہین، اسی طرح یہ بھی
کہا جاسکتا ہی کہ چند سال کے بعد کسی شخص کو جب کوئی سزا دیجاتی ہی تو اس حالت مین جو حقیقی مجرم ہے
وہ بچ جاتا ہی اور جو سزا بھگتا ہی وہ حقیقت مین مجرم نہین ہوتا،

لیکن نظام کے فلسفہ پر یہ اعتراض اسلیئے وارد نہین ہوتا کہ اسکے نزدیک ''انسان'' جسم
عبارت نہین، بلکہ روح سے عبارت ہے، اور اس مین کسی حال مین تغیر نہین آتا، سزا اور عذاب کی
تکلیف جسم کو نہین ہوتی بلکہ روح کو ہوتی ہی، جسم اس دنیا مین صرف ایک ذریعہ احساس ہی،

روح لوگ کہتے ہین کہ کل فلان شے یا فلان شخص زندہ تھا، آج مرگیا، نظام کہتا ہی دنیا مین
دو قسم کی چیزین ہین، ایک مین زندگی ہی اور دوسری زندگی سے محروم ہی، جو زندہ ہی وہ مردہ نہین ہوتا
اور جو مردہ ہی وہ زندہ نہین ہوتا، ایک زندہ انسان بظاہر جسم و روح سے مرکب ہی، ہم کہتے ہین وہ مرگیا
روح تو نہین مری، وہ تو زندہ ہی ہی، جسم زندہ تھا ہی نہین، وہ تو ہمیشہ سے مردہ تھا، اسلیئے یہ کہنا کہ

زندہ روح کا مردہ جسم سے تعلق منقطع ہوگیا، اور یہ انقطاع تعلق خارجی اسباب کے عارض ہوجانے سے
ہوجاتا ہی ورنہ روح فی نفسہ مستقلاً زندہ ہے،

ہر لطیف شے اگر موانع عائق نہون تو بلندی کی جانب مائل ہوتی ہی، آگ ہمیشہ اوپر کو جاتی ہے
اور اگر موانع پیش نہ آئین تو وہ سماویات تک پہنچ جائے، روح انسانی بھی جو نہایت لطیف ہے،
جسم سے منفصل ہو کر سماویات تک پہنچ جاتی ہے،

نظریۂ اتحاد جنسیت و اتحاد خواص جمادات و نباتات کی ہر نوع مین کچھ مخصوص خواص ہین، مثلاً آگ جلاتی ہی، پانی
ٹھنڈا کرتا ہی، گلاب کا پھول دماغ کو معطر کرتا ہی، املتاس مسہل ہی، ان انواع سے یہ خواص طبعاً
صادر ہوتے ہین، اور ان خواص کے علاوہ کوئی اور خاصہ اُنسے ظہور پذیر نہین ہوسکتا، یہ ناممکن ہی کہ
آگ جلانے کی بجائے ٹھنڈا کرے، اور پانی ٹھنڈا کرنیکی جگہ جلائے، آیا یہی حالت حیوانات کی بھی ہے
یا نہین، نظام کہتا ہی حیوان بھی ایک نوع ہی، اس سے بھی ایک ہی قسم کا فعل صادر ہوسکتا ہے
اور وہ اس کے صدور پر مجبور ہے،

تم اعتراض کرسکتے ہو کہ حیوان مین جمادات اور نباتات کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے
یعنی ارادہ! اسلیئے حیوان سے کچھ فعل طبعاً صادر ہوتے ہین، اور کچھ طبعاً نہین بلکہ ارادۃً صادر ہوتے ہین،
لیکن وہ جواب مین کہہ سکتا ہی کہ ارادہ بھی تو حیوان کا ایک خاصہ ہے،

فعل کی حقیقت نظام کے نزدیک ''فعل'' کی حقیقت صرف حرکت ہی، علم و ادراک یہ سب
اسکے نزدیک حرکت (دماغی) کا نام ہی، یہ وہ تحقیق ہی جسکے انکشاف پر موجودہ صدی کا سائنس
ناز کرتا ہی، علامہ عبدالقاہر بغدادی لکھتے ہین،

العلوم و الادراکات عندہ من جملۃ الحرکات — نظام کے نزدیک علوم و ادراکات بھی بجملہ حرکت ہے۔

جسم کی ترکیب جسم اگر مرکب ہی تو اسکے اجزا کیا ہین، یونانیون مین تالیس ملطی کہتا ہی کہ تمام اجسام کی

اصل صرف پانی ہی، انکزمنڈر کے نزدیک یہ فضاے غیر متناہی ہی، انکیمانس ہوا کو اصل اجسام قرار دیتا ہی، دیمقراطیس ایسے چھوٹے چھوٹے ذرات سے جسم کی ترکیب کا قائل تھا جنکی تقسیم نہ خارج مین ہو سکتی ہی نہ وہم وخیال مین، ارسطو نے ہیولی اور صورت کا نظریہ پیش کیا،

یونانی تراجم جب مسلمانون کے سامنے آے تو متکلمین اسلام نے دیمقراطیس کے مسلک کو اختیار کیا، اور اس شدت سے اسپر اصرار کیا کہ یہ کفر واسلام کا معیار ہو گیا، اس نظریہ کا اتنا حصہ تو بیشک ناقابل انکار ہے کہ جسم ذرات سے مرکب ہی اور خارج مین انکی تقسیم نہین ہو سکتی، لیکن انکے عدم قبول انقسام پر یہ اصرار کہ خارج مین، ذہن مین، بلکہ وہم وگمان وتصور مین بھی انکی تقسیم نہین ہو سکتی صحیح نہین، تم چھوٹے سے چھوٹا جز بھی لو، کم از کم اس مین فوق وتحت اور یمین ویسار ضرور ہوگا، اور جب اس مین امتیاز پیدا ہو گیا تو وہماً تقسیم بھی ہو گئی،

نظام کا نظریہ یہ ہی کہ جسم ذرات سے مرکب ہی، لیکن ان ذرات کی تقسیم غیر متناہی حد تک ہو سکتی ہے،

طفرہ نظام کے نظریات مین **طفرہ** جسقدر زبان زد ہی، شاید فلسفہ کا کوئی مسئلہ ہو، طفرہ کے لغوی معنی پھاندنے کے ہین، لیکن اصطلاح مین ”طفرہ“ سے یہ مقصود ہی کہ کوئی جسم ایک جگہ سے دوسری جگہ اس طرح منتقل ہو جاے کہ درمیانی مسافت کے قطع کرنیکی ضرورت نہ پڑے، اور یہ بداہۃً باطل ہے، اسی لئے نظام کا طفرہ محالات کی تمثیل کے لئے زبان زد ہے،

اصل یہ ہی کہ معترضین نے نظام پر یہ اعتراض کیا کہ تم جسم کو غیر متناہی اجزاء سے مرکب مانتے ہو، اس بنا پر لازم آتا ہی کہ کوئی شے ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت نہ کر سکے، کیونکہ اُسکو حرکت کے لئے ضروری ہی کہ وہ جسم کے ایک خاص حصہ کو ختم کرے، اور چونکہ جسم تمہارے نزدیک غیر متناہی ذرات سے مرکب ہی، اور غیر متناہی ختم نہین ہو سکتا، اسلئے دوسری جگہ اس کا پہنچنا محال ہوگا، نظام کہتا ہی کہ وہ بطور طفرہ کے پہنچیگا، شاید نظام کا مطلب یہ ہو کہ یہ ذرات جو تقسیم کے بعد غیر متناہی

ک نکلنے والے ہین، وہ بالفعل تو متناہی ہین، قطعِ مسافت اُن ذرات کی ہی جو بالفعل متناہی ہین، لیکن ان بالفعل متناہی ذرات کے اندر جو غیر متناہی ذرات پوشیدہ ہین وہ کیونکر قطع ہوتے ہین، بالفعل حالتِ کون مین بطور طفرہ کے طے ہوتے ہین،

جسم کا ذرات سے مرکب ہونا، اور اُنکا بالقوۃ غیر متناہی تقسیم قبول کرنا جو نظام کا مسلک ہے یورپ کی موجودہ تحقیق ہے،

جسم کی حقیقت خارج مین جسم کے وجود کا کسکو انکار ہو سکتا ہی، تمہارے سامنے سنگ مرمر کی ایک ہے، ہر شخص کو اسکے وجود کا یقین ہی، آنکھ سے اسکو دیکھ رہا ہے، ہاتھ سے اسکو چھو رہا ہے، کن ذرا کاوش اور غور سے کام لو، کیا تم جسم دیکھ رہے ہو، نہین سپیدی، کیا تم چھو کر جسم کو محسوس رہے ہو، نہین صرف اسکی سختی اور چکنا پن، اس بنا پر تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ ہمکو اس جسم کے وجود کا یقین ہے،

نظام کہتا ہی کہ جسم کی حقیقت یہی ہی، رنگ، سختی، نرمی، مزہ، بو وغیرہ انھین کے مجموعہ کا م جسم ہے، جسم انکے اجتماعی ترکیب کے علاوہ کوئی اور شے نہین، نظام کی یہ تحقیق آج دانایان فرنگ کے بڑے حصہ کا معتقد علیہ ہے،

عرض کی حقیقت ”عرض“ اسکو کہتے ہین جو خود مستقل ہو کر موجود نہین ہوتا، بلکہ کسی دوسری شے ین ہو کر پایا جاتا ہے، مثلاً سپیدی، سیاہی، خوشبو، شیرینی، ترشی، انکا وجود دنیا مین جسم سے حدہ ہو کر کہین نہین ہی، **نظام** اسکا قائل ہی کہ یہ تمام چیزین مستقلاً پائی جاتی ہین، اور یہ ٹے چھوٹے ذرات سے مرکب ہین، آج **یورپ** کے بعض نامور محققین کا بھی یہی مذہب ہی، کن اسکی اولیت کا شرف **نظام** ہی کو حاصل ہی،

ادراک بالحواس حواس خمسہ جو انسان کے ذرائع علم ہین، اُنسے کیا چیز معلوم ہوتی ہی؟ اہل فلسفہ اسکے ب مین ہر حاسہ کے مدرکات گناتے ہین، لامسہ سے سختی اور نرمی، باصرہ سے رنگ اور روشنی،

ذائقہ سے مزہ، سامعہ سے آواز، نظام کہتا ہی حاسہ جسم کے سوا اور کسی چیز کا احساس نہین کرتا، کیونکہ جب تک وہ شے جسکا ہم احساس کرنا چاہتے ہین ہمارے کسی حاسہ کو ٹھکراتی نہین اُسکا علم نہین ہوتا، اور ٹھکرانا اور اس سے ٹکرانا جسم کا کام ہی، اسی لئے نظام کے نزدیک رنگ، بو، مزہ وغیرہ بھی جسم ہین

(دو آدمی ایک ہی شے کا احساس نہین کرسکتے)

بظاہر یہ لغو خیال معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شے کا دو آدمی احساس نہین کرسکتے، اگر دو آدمی یا اُنسے زیادہ اشخاص ایک ہی چیز کا برابر احساس کرتے ہین، لیکن درحقیقت ملموسات کے علاوہ اور محسوسات کی نسبت یہ دعوی ایک مغالطہ ہے،

ہم ایک مجسمہ کو دیکھتے ہین لیکن اس طرح کہ اسکی تصویر ہماری آنکھ کے آئینہ پر کھنچ جاتی ہی، اب اگر حقیقت مین ہماری بصارت نے احساس کیا تو اس تصویر کا جو آنکھ پر کھنچی، چار آدمی اگر ایک ہی مجسمہ کو دیکھ رہے ہین، تو ہر شخص درحقیقت الگ الگ تصویر کو دیکھ رہا ہی، اتنا بیشبہہ صحیح ہی کہ یہ مختلف تصویرین عموماً ایک ہی مجسمہ کے مطابق ہین، اسلئے یہ کہنا مجازاً صحیح ہی کہ ہم سب نے ایک ہی چیز کو دیکھا ہی، ایک سیب آپکے سامنے ہی، آپ ایک قاش چکھ کر کہتے ہین کہ میٹھا ہی اور قاشین کاٹ کاٹ کر آپ حلقہ احباب مین تقسیم کرتے ہین، لیکن کیا فی الواقع ہر شخص کا حاسہ ذوق ایک ہی مزہ کو چکھ رہا ہی؟ نہین ایک ہی قسم کے مزہ کو چکھ رہا ہی، ایک آواز چند آدمیون کے کانون مین آرہی ہی، لیکن حقیقت مین ایسا نہین ہے بولنے والا ہوا مین تموج پیدا کرتا ہی، وہ موج دائرہ کی صورت مین بڑہتی ہی، ہر شخص کے کان کو دائرہ کا ایک حصہ متاثر کرتا ہے، اس بنا پر ہر ایک سننے والا جس شے کو اپنے کان مین محسوس کرتا ہی وہ دوسرے سے بالکل متغایر ہی، بلکہ یہ صحیح ہی کہ وہ ایک ہی قسم کے تموج کے متاثرات ہین اور اسلئے یہ کہہ سکتے ہین کہ ہم ایک ہی آواز سنتے ہین

نظام نے ان مسائل کے علاوہ اور بعض خالص مذہبی مسائل مین بھی دخل دیا ہی، مثلاً یہ کہ وہ معجزات کا منکر ہی، قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت مین معجزہ نہین مانتا بلکہ اخبار غیب مین معجز مانتا ہی، اجماع کا قائل نہین، خبر متواتر کی قطعیت کا معتقد نہین، ہمکو ان مسائل کی صحت وخطاسے بحث نہین، ۔

تصوّرات کلیہ

ذیل کا مضمون ایک دقیق اور معرکۃ الآرا منطقی مسئلہ کی مجتہدانہ تشریح ہی، یہ مضمون اگر کسی یورپین رسالہ مین طبع ہوتا تو یقیناً ایک عالمگیر مدح وستائش کا مستوجب ہوتا، لیکن ہندوستان مین ہماری عالی ظرفی اسی قدر داد چاہتی ہے کہ اس مضمون کو کم از کم ایک بار پڑھ لیا جائے،

صاحب مضمون کے اظہار نام کی ہمین جرأت نہین، اور ضرورت بھی نہین کہ یہ تصور کلی نہین "جزئی" ہے، چہرہ پر جو باریک نقاب پڑی ہی کم از کم احباب لکھنؤ کا ہر گستاخ ہاتھ اسکو بیکر اُلٹ سکتا ہے:

بہر رنگیکہ خواہی جامہ می پوش　　　من انداز قدت را می شناسم

سقراط کا قول ہی کہ کسی چیز کا صحیح علم بلا تصور کلی کی جانب رجوع کئے ناممکن ہی۔ ارسطو تصورات کلیہ یا ماہیات اشیا کی جستجو ہی کو سقراط کا واحد فلسفیانہ کارنامہ خیال کرتا ہی (الہیات ارسطو۔ ذکر سقراط) خصوصاً الہیات کی معرکہ آرائیون کا اکھاڑہ قریباً ڈھائی ہزار سال سے یہی مجردات یا کلیات ہین، ریاضیات کے حدود واصول سرا پا مجردات ہین، علوم طبیعیہ جنکی نبیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے انکا قدم بھی بے وضع کلیات کے نہین اُٹھتا، ہماری روزمرہ کی گفتگو یا تحریر مین دس جملے بھی ایسے مشکل سے ملسکین گے، جو الفاظ کلی کے استعمال سے خالی ہون۔ گیا ایک ایسی شے کے وجود واقعی سے، جسکا استیلا اور جسکی احتیاج اسقدر عالمگیر ہو، انکار، یا شبہہ انکار بھی ممکن ہے،

۳۰۔ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء کے روزنامچہ مین قارئین کی توقع کے خلاف اس سوال کا جواب یہ پاتا ہون "مفاہیم کی تقسیم کلی اور جزئی صحیح نہین معلوم ہوتی، یا تمام مفاہیم کلی ہین یا تمام جزئی، صورت ثانی قابل قبول ہی" ۱۹۔ اگست سنہ ۱۹۱۰ء مین یہ ملتا ہے "زبان مین الفاظ کلی موجود ہین انکا استعمال اس قدر کثیر اور ناقابل اجتناب ہے کہ دہوکا ہونے لگتا ہی، کہ ذہن مین کوئی واقعی مصداق کلی بھی موجود ہے، ورنہ دراصل ذہن مصداق کلی

کے تصور سے بالکل عاجز ہے، اسی بنا پر جب کسی حکم کا محکوم علیہ کلی ہو تو ذہن کے سامنے کوئی نہ کوئی جزئی آجاتا ہے اور بر بنائے تمثیل وہ تمام افراد پر مجملاً حکم لگا دیتا ہے" برکلے[1] نے اپنی کتاب "مبادی علم انسانی" پر جو مقدمہ لکھا ہے اِدھر اُس پر نظر پڑی، وہ تمام تر اسی بحث سے متعلق ہے، فلسفہ کی نشاۃ جدیدہ کے اس بلند پایہ فرزند کے ساتھ توارد ذہنی نے ہمت بندھائی، کہ اس موضوع پر نتیجہ افکار کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کرون، اور خود اس مقدمہ کو بھی اردو مین ہدیۂ ناظرین کرون، جسکو اس مسئلہ پر خاتم المباحث کہنا چاہیے،

کلّیات کا مسئلہ علی العموم فن منطق کا ایک ٹکڑا خیال کیا جاتا ہے، جو ایک حد تک بجا بھی ہے لیکن مجردات یا کلیات کی ماہیت، ان کا منشا، اور انکی حقیقت ذہنی کو روشنی مین لانے کے لیے دراصل نفسیاتی جہت سے فکر و تامل کرنا چاہیے، یہان تک پہنچکر معاً خیال آیا کہ اس بحث پر نفسیات کے امام اعظم ولیم جیمس کا فیصلہ معلوم کئے بغیر قلم کو آگے بڑھانا، اسکی پایہ ناشناسی سے زیادہ اپنی کم نظری کا ثبوت ہوگا۔ نہایت ذوق و شوق سے اسکی مشہور کتاب "مبادی نفسیات" کا گیارھوان باب جو اسی بحث سے متعلق ہے کھولا۔ اور حسن گمان کے ساتھ پڑھنا شروع کیا، کہ بس اب تھوڑی دیر مین ساری گرہین کھلی جاتی ہین لیکن حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ معلوم ہوا کہ برکلے کی تیز مشعل کے سامنے موجود ہونے پر بھی اسکی مجتہدانہ نگاہ دو ہزار برس کے پردۂ ظلمت کو نہ چیر سکی، اور بالآخر اجتہاد نے روایت سے شکست کھائی، استعجاب سے زیادہ تاسف انگیز یہ بات ہے کہ عالم نفسیات کی حیثیت مین بجائے اسکے کہ ایسے اہم مسئلہ کی ذہنی تحلیل و تشریح کرتا، اپنی عام عادت کے خلاف مل وغیرہ کے چند اقتباسات کی مناظرانہ اور انشا پردازانہ تنقید پر قناعت کی ہے، مجبوراً اب ہم رہنمائے وحید بشپ برکلے کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہین، اسب سے پہلے سہولت فہم کے لیے مجردات وکلیات کی توضیح ضروری ہے اور امید ہے کہ

---

[1] ۱۶۸۵ء مین آئرلینڈ مین پیدا ہوا، ۱۷۵۳ء مین آکسفورڈ مین مرا، اسکی مشہور ترین کتاب "مبادی علم انسانی" ہے، جس مین وہ مادہ اور کائنات مادی کا قطعی منکر ہے، ذہن یا نفس سے باہر کسی شے کا وجود نہین، کسی چیز کی موجودیت کے صرف اتنے معنی ہین، کہ کوئی مدرک اس کا ادراک کر رہا ہے، نفس مدرکہ کے الگ کر لینے کے بعد کسی خارجی غیر مدرک شے کا وجود نہین ثابت کیا جا سکتا،

اسی توضیح کی روشنی مین ارباب تامل کی نگاہین جادۂ استقامت کو پا لینگی،

زبان مین دو مختلف قسم کے لفظ موجود ہین۔ ایک مثلاً چنگیز خان، نپولین، ہومر، فردوسی، اسپینسر، ابن سینا وغیرہ، دوسرا انسان۔ اسی طرح لندن، پیرس، اسکندریہ، کلکتہ، وغیرہ اور شہر۔ ایڈن، عربیا، لوسیتینا، وغیرہ (خاص خاص جہازون کے نام) اور جہاز، مبادی نفسیات، گلستان، شعر العجم وغیرہ۔ اور کتاب، یا گلدہال، قصر حمرا، تاج محل وغیرہ اور عمارت، ان مین پہلی قسم کے الفاظ جزئی کہے جاتے ہین، اور انسان، شہر، کتاب، عمارت، یا ان کے مثل الفاظ کا نام کلیات ہے، ایک دوسری صورت یہ ہے، کہ ایک طرف تو یہ سفید پتھر، وہ سفید کاغذ، سامنے کی الگنی پر والا سفید کوٹ لو، اور دوسری طرف محض سفیدی یا اسی طرح ایک جانب اپنا لکھنے والا ڈیڑہ گز لمبا مستطیل میز، اپنے ہاتھ کا ۶ انچ والا قلم، ایک فٹ کا لمبا کاغذ جسپر لکھ رہے ہو رکھو اور دوسری جانب صرف لمبائی ان مین ثانی الذکر یعنی سفیدی، لمبائی یا اسی قبیل کے لفظون کو "مجردات" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اول الذکر کو موقفات کہہ سکتے ہو،

اب تقسیم اول کے پہلے قسیم مین مثال کے طور پر تاج محل لو۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ خاص عمارت ہے جو آگرہ مین جمنا پر واقع ہے جسکی کرسی ۲۰ فیٹ بلند، ۳۱۳ فٹ مربع ہے جسکے چارون گوشون پر ۱۳۳ فٹ کی اونچے منار ہین، وسط مین ۱۸۶ فٹ مربع گمبدی مقبرہ ہے، یہ ساری عمارت سفید سنگ مرمر کی ہے، وغیرہ وغیرہ لیکن نفس لفظ عمارت کے معنی مین نہ تو مربع ہونے کی تخصیص ہے۔ نہ مستطیل، نہ مدور، نہ مثلث، نہ سنگ مرمر کی شرط ہے، نہ سنگ موسیٰ کی، نہ اینٹ کی، نہ لکڑی کی نہ مٹی کی، یہی حال اور قیود کا ہے، یا یون کہو کہ یہ لفظ بولکر ہم یورپ، ایشیا، افریقہ، امریکہ، اسٹریلیا، کہین کا کوئی مکان کسی شکل، کسی مصالح، کسی ضرورت کسی حیثیت کا بنا ہو سبکو یکسان طور پر مراد لے سکتے ہین، ان مرادی معنون کا نام علی الترتیب مفہوم جزئی اور مفہوم کلی رکھ لو۔ یہ ان دو مختلف قسم کے لفظون کی مراد یا مفہوم کا وہ معمولی فرق ہے جسکی بنا پر ہم اپنی روزانہ زندگی مین انکو دو مختلف مواقع پر استعمال کرتے ہین۔ اور اس مراد استعمال مین عامی اور فلسفی سب برابر ہین نزاع کی

کوئی گنجائش نہین،

اصل بحث یہ ہے کہ ان مختلف المراد لفظون سے ذہن مین مختلف تصوّرات کیا پیدا ہوتے ہین؟ اگر تمنے خود تاج محل کو دیکھا ہے تو جسوقت اُس کا تصور ذہن مین باندھنا چاہو گے، تمہارے ملاحظہ اور یادداشت کے درجہ کے مطابق اُسکی دھندلی یا صاف تصویر ذہن کے سامنے کھنچ جائے گی، ورنہ اگر تمنے اسکی نقل و تصویر دیکھی ہے یا صرف تھوڑا بہت حال سنا ہے، تو متخیلہ ایک تصویر تیار کر دیگا، جو اصل سے بہت سی باتون مین مختلف ہونے پر بھی مجموعاً اُس سے بہت کچھ مشابہ ہوگی، اب سوال یہ ہے کہ اسی طرح اگر ہم لفظ عمارت سے کوئی تصور باندھنا چاہین تو وہ کیا ہوگا؟ آیا وہ نوع عمارت کے تمام ممکن الوجود افراد جزئیہ کے مابہ الاشتراکات کی ایک ایسی جامع مانع متعین تصویرِ ذہنی ہوگی جو گذشتہ، موجودہ، آیندہ تمام خاص خاص عمارات کو محتوی ہوگی (اگر ذہن کلیات کی کوئی ایسی متشخص تصویر کھینچ سکتا ہے تو اسی کا نام تصور کلی ہے جو اس مضمون کا عنوان ہے) یا وہ کسی ایک خاص فرد عمارت کا تصور، مع اپنے تمام جزئی خصوصیات کے ہوگا، لیکن ذہن یہ فرض کر سکتا ہے کہ یہ خصوصیات عمارت کی حقیقت نوعی مین داخل نہین، پہلے نظریہ کا اصطلاحی نام **تصوریت** ہے، جو **برکلے** کے قریباً تمام پیشرو فلاسفہ کا مذہب ہے، اور دوسرا **اسمیت** کے نام سے مشہور ہے، جو خود برکلے اور اس کے اتباع کا مذہب ہے،

یہان تک تمنے تصور کلی کی حقیقت متعارف اچھی طرح سمجھ لی، اب ہم تصور مجرد کی کسی قدر توضیح کرتے ہین گو میرے نزدیک مجرد اور کلی الفاظ مین کوئی خاص معنوی فرق نہین، لیکن علی العموم الفاظ کی یہ تقسیم کیجاتی ہے، اور موجودہ بحث پر اس تقسیم کی صحت و سقم کا کوئی اثر نہین، اسلیے یہان اس قضیہ کا چھیڑنا بے محل ہے، اوپر مجردات کی مثالین سفیدی اور لمبائی بیان کی گئی ہین، اسیطرح مکانیت، شجریت، انسانیت، شلثیت، مربعیت وغیرہ سب اسکی مثالین بن سکتی ہین، تمہارے سامنے سفید پتھر کا ایک مربع میز رکھا ہے، ظاہر ہے کہ اس میز کا جزئی تصور پتھر، سفیدی، اور مربع وغیرہ متعدد چیزون سے مرکب ہے، اب سوچنا یہ ہے کہ کیا ذہن کے لیے یہ ممکن ہے کہ اس میز کے تمام اور جزئیات اور خصوصیات کو چھوڑ کر محض سفیدی، محض مربع پن، یا محض حجریت کا متعین تصور قائم کرسکے اگر وہ ایسا کرسکتا ہے تو بس یہی تصور مجرد ہے،

تصور مجرد کا فرق پوری طرح ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بالکل صاف ہے کہ مفہوم کلی اور مفہوم مجرد کوئی بحث اور اختلاف کی شے نہین، کیونکہ اس سے کون انکار کریگا کہ "انسان" بول کر کوئی خاص فرد زید، عمر وغیرہ نہین مراد لیا جاتا، بلکہ نوع انسان کے تمام افراد۔ اور لمبائی سے کسی خاص شے، قطب مینار یا اہرام مصری کی لمبائی نہین سمجھی جاتی، بلکہ ہر مقدار والی شے کی لمبائی، ہان جس چیز مین جھگڑا ہے، وہ کلیات و مجردات کا مفہوم نہین، بلکہ تصور ہے، یعنی یہ کہ کلی یا مجرد الفاظ کا ذہن مین کوئی ایسا ہی وسیع اور متشخص مصداق ہوتا ہے،

لیکن میرے نزدیک ذرا سوچنے کے بعد تصور کلی یا مجرد کا ناممکن الوجود ہونا اتنا ہی صاف ہے، جتنا مفہوم مجرد یا کلی کا ناقابل نزاع ہونا، بلکہ اس سے زیادہ۔ کیونکہ اگر تم انسان کا تصور اپنے ذہن مین باندھنا چاہو تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ وہ آدمی کی ایک ایسی ذہنی تصویر ہو، جسکا رنگ نہ گورا ہو۔ نہ کالا، نہ سانولا، نہ کوئی اور۔ اسکا نقشہ نہ حبشی ہو، نہ عربی، نہ ہندی، نہ مصری، نہ فرنگی، نہ کسی اور ملک کا۔ اس کا قد نہ دراز ہو، نہ میانہ، نہ پست، اس کا لباس نہ انگریزی ہو، نہ جاپانی نہ ترکی۔ نہ افغانی۔ نہ عریانی، وہ نہ عورت ہو نہ مرد، نہ بچہ، نہ بوڑھا، نہ جوان، اور پھر سب کچھ ہو، دوسرے لفظون مین یون کہو کہ ہزارون اضداد و نقائض کے رفع و اجتماع کا ہیولی ہو، مین نہین جانتا کہ زمین کا بسنے والا آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی ایسا تصور اپنے ذہن مین قائم کرسکتا ہے، یہی حال مجردات کا ہے، ذرا توجہ سے غور کرو کہ کیا سفیدی کا کوئی ایسا منزہ تصور تمہارے ذہن مین آسکتا ہے جو نہ برف کی سفیدی ہو، نہ روئی کی، نہ سنگ مرمر کی، نہ چونہ کی، نہ سیپ کی، نہ ہلکی نہ گہری اور ساتھ ہی سب کو شامل ہو۔ یا تمہارے ہاتھ مین سرخ رنگ چمڑے کا ایک گیند ہے، تو کیا ذہن کے لیے یہ ممکن ہے کہ رنگ وغیرہ کے تمام خصوصیات کو چھوڑ کر صرف گولائی کا تصور قائم کرسکے؟ یقیناً معمولی تامل کے بعد ہر شخص ان سوالات کا جواب نفی مین دیگا

ایک شبہہ یا اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ گر ذہن مجرد یا کلی تصور قائم کرنے سے عاجز ہے، تو پھر احکامِ کلیہ

کا تعلق کیا محض کلی الفاظ سے ہوتا ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ خارج مین کسی کلی وجود نہین، مثلاً جب یہ دعویٰ

کیا جاتا ہے کہ مثلث کے تینون زاویے دو قائمون کے برابر ہین، تو معلوم ہے کہ یہان کوئی خاص مساوی الساقین

مساوی الاضلاع، یا مختلف الاضلاع مثلث مراد نہین، بلکہ بلاتخصیص ہر ایک مثلث، اور خارج میں جو مثلث ہوگا

ان تمام قیدون سے معرا نہین ہو سکتا، لہٰذا اس حکم کے لیے صرف لفظ مثلث رہجاتا ہی، جو کسی معنوی حقیقت کا محکوم علیہ نہین بن سکتا

حقیقت یہ ہی کہ احکام کلیہ کا محکوم علیہ نہ تو کوئی موجود خارجی ہوتا ہی، نہ تصور ذہنی، نہ خود لفظ کلی، بلکہ الفاظ کلیہ یا مجرد کے وہ

معنی مرادی جنکا نام اوپر "مفہوم کلی" اور "مفہوم مجرد" رکھا ہی۔ اب اپنی زیر اعتراض مثال مین دیکھو کہ مطلق مثلث بولکر

مراد کیا ہوتی ہے۔ ایک ایسی سطح جو تین مستقیم خطوط سے گھری ہو، جو دوسرے لفظون مین مثلث کی تعریف کہی

جاتی ہے، اور جس مین خطوط کی باہمی نسبت کا کوئی ذکر نہین، بس یہی مراد استعمال مثلث سے متعلق تمام احکام

کلیہ کا محکوم علیہ ہی۔ ایک کلیات و مجردات پر کیا موقوف ہر زبان مین سیکڑون ایسے جزئی الفاظ موجود ہین جنکے

مصداق کا نہ ذہن مین تصور ممکن ہے، نہ خارج مین کبھی حواس سے علم ہوا، لیکن وہ دن رات استعمال

ہوتے ہین، اور بیسیون احکام کا محکوم علیہ بنتے ہین، خدا، جبریل، شیطان، روح، وغیرہ سب اسیطرح کے الفاظ

ہین، کہ جنکے مصداق کا نہ کبھی حسی مشاہدہ ہوا، نہ ذہن مین ان کا کوئی واضح اور متعین تصور ہی۔ انکی نسبت ہم جو

کچھ کہتے سنتے ہین، اسکا تعلق صرف معنی مرادی سے ہوتا ہے، مثلاً متکلمین کے نزدیک خدا سے مراد ایک ایسی غیر

مادی ہستی ہے، جو نہ زمین پر ہے، نہ آسمان پر، نہ مشرق مین نہ مغرب مین۔ نہ شمال مین نہ جنوب مین جسکی نہ ابتدا ہے

نہ انتہا، اُسکے کان نہین مگر وہ سنتا ہے، اسکے آنکھین نہین مگر وہ دیکھتا ہے۔ بتاؤ کیا تمہارے ذہن مین ایک

آن کے لیے بھی ایسی ہستی کا تصور آسکتا ہی؟ قطعاً نہین۔ پھر تم کہتے ہو کہ خدا رازق ہی، خالق ہی، قادر مطلق ہے رحیم

ہے، قہار ہے، بس معلوم ہوا کہ ان تمام صفات یا احکام کا تعلق، اسی معنی مرادی سے ہی، نہ کہ تصور ذہنی یا لفظ خدا

سے، البتہ یہ ہو سکتا ہی کہ عامی آدمی کے معنی مرادی ایک متکلم اور فلسفی سے مختلف ہون، بلکہ ہوتے ہین ہمارے

بہت سے اصطلاحی الفاظ مثلاً نقطہ، خط، سطح وغیرہ بھی اسی صنف مین داخل ہین، کون ذہن ایسے طول کا تصور کرسکتا ہی

جس مین عرض اور عمق نہو، لیکن خط ایسے ہی طول کا نام ہی، اور اسپر اقلیدس کے صدہا احکام جاری کئے

جاتے ہین، کیا انکا تعلق سوائے معنی مرادی کے کسی اور شے سے ممکن ہی، یہی حال نقطہ اور سطح کا ہی، اسکو بھی

چھوڑو۔ تم کہتے ہو کہ اجتماع نقیضین محال ہی، بتاؤ اس محالیت کا تعلق کس سے ہ؟ خارج مین اجتماع نقیضین

کا وجود نہین، ذہن اسکے مصداق کا تصور نہین کرسکتا، لامحالہ حکم کا تعلق معنی مرادی سے ہی یعنی کسی شے کا

تمام حیثیات سے ایک ہی جگہ، ایک ہی وقت مین موجود بھی ہونا اور معدوم بھی ہوتا،

اصل یہ ہی کہ کلیات اور مجردات بھی ایک طرح کے اجتماع وارتفاع متناقضات کا نام ہین، اس لیے

نہ خارج مین ان کا وجود ممکن ہے، نہ ذہن مین تصور، جب بہ وقت واحد انسان کے مفہوم مین حبشی اور

رومی دونون داخل ہین، تو سیاہ سفید آدمی کا تصور اس سے زیادہ آسان نہین، جتنا مثلث مربع کا،

اس مین شک نہین، کہ کلی اور مجرد الفاظ کے استعمال سے معنی مرادی کے ساتھ ساتھ کبھی ذہن

مین متعین تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ تصور ہمیشہ کسی ایک فرد جزئی یا یکے بادیگرے متعدد افراد جزئیہ

ہی کا ہوتا ہے۔ فرض کرو جب تمنے پہلے پہل الہ آباد کی نمائش یا کسی موقع پر ہوائی جہاز دیکھا ہوگا، تو جب

ہوائی جہاز کا نام آتا ہوگا، تمہاری آنکھون کے سامنے اُسی دیکھے ہوے جہاز کا نقشہ پھر جاتا ہوگا، لیکن اگر گفتگو

کا تعلق اِس خاص جہاز سے نہو، تو تمثیل کی بنا پر ذہن اس مین یون تعمیم پیدا کرلیتا ہے، کہ یہ اور اس جیسے

تمام دیکھے اور اَن دیکھے جہاز مراد ہین۔ پھر جب ہم روز اخبارات مین ہوائی تاخت کا حال پڑھتے ہین،

تو تمکیوجہ سے ذہن ہوائی جہاز کے صرف معنی مرادی پر قناعت کرتا ہے، اور کسی جزئی جہاز کا تصور ذہن

مین آنا لازمی نہین ہوتا، اسیطرح جب تم اوّل اوّل دیہات یا اپنے گھر سے بچپن مین ریل کے سفر کے لیے نکلے

ہوگے، تو جہان تمہارے لیے ٹکٹ خرید اگیا ہوگا، اور ریل پر سوار ہوے ہوگے، تو سنا ہوگا کہ لوگ اُس جگہ کو

اسٹیشن کے نام سے پکارتے ہین، چلتے چلتے پھر ایک جگہ ریل ٹھہری ہوگی، اور بہت سے نئے مسافر سوار ہوے

ہین، اور بہت سے اُتر گئے ہون گے، تمہارے ساتھیون نے کہا ہوگا کہ یہ فلان اسٹیشن ہی، آخر ایک جگہ تم خود

اُتر پڑے ہونگے، اور اتنے تجربہ سے سمجھ لیا ہوگا، کہ اسٹیشن سے مراد وہ جگہ ہوتی ہے، جہان کچھ دیر ریل ٹھرتی ہی، پچھلے مسافر اترتے اور نئے سوار ہوتے ہین، اب مطلق اسٹیشن کا نام لیا جائیگا، تو شروع شروع مین اکثر اُس پہلے اسٹیشن کی تصویر تمہارے سامنے پھر جائیگی، جہان تم دیر تک ٹھرے، سوار ہوئے، اور اُستلافات ذہنی کے قانون نے اُسکے تصور کو ذہن مین زیادہ راسخ کر دیا ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوگا، کہ دوسرے، تیسرے اور چوتھے اسٹیشن کی بھی ایک دھندلی سی تصویر سامنے آجائیگی، لیکن ذہن ان جزئیات سے تمثیل کا کام لیتا ہے، باقی احکام کلیہ کا تعلق اسٹیشن کے اُسی معنی مرادی سے رکھتا ہے، جہان ریل رکتی اور مسافر چڑھتے اُترتے ہین،

ایک بات اور یاد رکھنے والی ہی۔ تم ایک عجائب خانہ مین جاتے ہو، جہان آدمی کا ایک مردہ بچہ رکھا ہوتا ہے، جسکے دو سر ہین، گو تمہارے ذہن مین دو سر والے آدمی کا تصور نہین ہوتا، اور اس غیر معمولی مشاہدہ سے تمکو بے انتہا حیرت ہوتی ہی، تاہم تم اُسکو ہاتھی، گھوڑے، شیر، بکری وغیرہ کے بجائے آدمی ہی کا بچہ سمجھتے ہو، ہوتا یہ ہے، کہ تمہارے، خزانۂ ذہن مین سیکڑون ہزارون تصورات جزئی پہلے سے جمع ہین، اب جب اِس نئے تصور کا ان تصورات سے موازنہ کرتے ہو تو شیر، بکری وغیرہ کی نسبت زید، عمر، بکر وغیرہ کے تصور سے یہ زیادہ اقرب و اشبہ ہوتا ہے اسلیے بے تامل اس دو سر کے بچہ کو تم انسان کی صف مین داخل کر دیتے ہو۔ یہی حال ہر نئے تصور کا ہوتا ہے، کہ حس یکسانیت کی مدد سے، اُسکو تصورات موجودہ کے مختلف اصناف مین سے کسی ایک صنف کا فرد قرار دے لیتے ہو، حس یکسانیت اور عمل موازنہ و نزع کلیات کا اصلی سرچشمہ ہی، اب ہم اصل بحث کو اس درخواست پر ختم کرتے ہین، کہ ہمارے فیصلہ کے سقم وصحت کی جانچ کے لیے قارئین کو منطقی دلائل سے زیادہ، خود اپنے واردات ذہنی کا ذہنی مطالعہ کرنا چاہیے،

آخر مین اتنا کہنا اور باقی ہے، کہ اس عہد جدید کے اساطین فلاسفہ نے الٰہیات سے زیادہ علمیات (اپسٹمالوجی) کے میدان مین اپنی قوتون کی آزمائش کی ہے، خدا کی ہستی، علتہ اولی کی حقیقت، مادہ اور روح کی ماہیت کے انکشاف، اور کائنات کی اسرار کشائی سے زیادہ اہم اور مقدم سوالات یہ خیال کیے گئے ہین

[...] علم کیا شے ہے؟ وہ کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اسکی کہان تک رسائی ہے؟ کونسی چیز کس حیثیت سے اور کس حد تک جانی جاسکتی ہے؟ **کینٹ**[1] اپنی مشہور ترین کتاب "انتقاد عقل نظری" مین کہتا ہے کہ "الٰہیات کے مسائل مین پڑنے سے پہلے، ہمکو خود فہم انسانی اور اُسکے قوی کی تحقیق کرنا چاہیے،"

مجردات یا کلیات کی بحث بہ ظاہر لوگون کو ایک لفظی جھگڑا معلوم ہوگا، لیکن دراصل یہ علمیات کے [...]ہات مسائل مین ہے، البتہ بازار اُردو مین جہان **لاک**[2]، **برکلے**، **ہیوم**[3] اور **کینٹ** ابھی رواج پذیر نہین [...]ان اس متاع کا ارزان سے ارزان قیمت پر بھی کوئی گاہک ملنا مشکل ہے، اور جب اصل متاع کی ایک [...]بازار مین کوئی قیمت نہ ہو، تو **معارف** کو ایک خشک علمی خدمت سے زیادہ صلۂ دلالی کی امید باندھنا چاہیے

"عباری"

[1] [...] ۱۷۲۴ء مین پروشیا (جرمنی) مین پیدا ہوا، ۱۸۰۴ء مین مرا، اس کی مشہور تصانیف "انتقاد عقل نظری" "انتقاد عقل عملی" [...] "انتقاد حکم" ہین، جنمین سب سے زیادہ معرکۃ الارا اوّل الذکر ہے، یہ اپنے فلسفہ کا نام "فلسفۂ انتقادیت" رکھتا ہے، جس سے [...]کی مراد وہ فلسفہ ہی، جو ادعاے علم سے پہلے خود ماہیت علم کی تنقیح و تنقید کرتا ہے،

[2] [...] اس کا زمانہ ۱۶۳۲ء سے ۱۷۰۴ء تک ہے۔ وطن انگلستان (سامرسٹ شائر)۔ اسنے اپنی سب سے بلند پایہ کتاب "امتحان [...] انسانی" مین کلیات پر نہایت طویل بحث کی ہے، اور تصورات کلیہ کا وجود ذہنی ثابت کرنے کے لیے شد و مد سے کوشش [...] ہے، برکلے نے اپنے مقدمہ مین اسی کو پیش نظر رکھا ہے اس کا مخصوص نظریہ یہ ہے کہ انسان کا تمام علم حواس سے ماخوذ ہے [...]ئے عقل مین قبل تجربہ حسی کے موجود نہین ہوتی، اُسنے اسپر بہت زور دیا ہے کہ فلسفہ کو ان مباحث سے ہمیشہ کے لیے [...]کنارہ کشی اختیار کر لینا چاہیے، جو انسان کی سمجھ سے بالاتر ہین،

[3] [...] وطن اسکاٹ لینڈ، زمانہ ۱۷۱۱ سے ۱۷۷۶ تک۔ اسکی فلسفیانہ زندگی کا وحید اور جلیل القدر کارنامہ تحقیق فہم انسانی ہے، [...] اپنے لیے متشکک کا لقب پسند کرتا ہی، سچ یہ ہی کہ وہ خاتم المشککین ہے، اسکی کتاب تحقیق فہم انسانی مین سب سے معرکہ کی بحث تعلیل [...]بحث ہی، اسکے نزدیک شہادت حس اور تجربہ کے علاوہ علتہ و معلول مین کوئی فی نفسہ لزوم عقلی نہین،۔

مؤسسات تمدن کیا ہین؟

دنیا مین آج کوئی لفظ تمدن سے زیادہ عام اور کثیر الاستعمال نہین کسی قوم کا متمدن ہونا وہ انتہائی ارتقاے انسانی ہی جو کسی ہستی کو اس عالم امکان مین حاصل ہو سکتی ہی، اور غیر متمدن ہونا ایک ایسا وصف ہی جسکے آگے ہر قسم کے ناگوار الزامات کو قبول کیا جا سکتا ہی لیکن اسکو قبول کر لینا انسانی ذلت ہی،

لیکن اس تہ مین جب یہ سوال کیا جائے کہ تمدن کیا چیز ہے؟ تو ایک عمدہ سوٹ اور آبادی سے دور ایک بنگلہ کے علاوہ تمدن کی مادی حقیقت کے واضح کرنیکے لئے کوئی اور چیز درکار نہین،

درحقیقت تمدن کی بنیاد ہر قوم کے اخلاق، مذہب، جغرافیہ، اور ضروریات زندگی پر قائم ہوتی ہی، جو بجاے خود مختلف ہوتی ہین، اس بنا پر تمدن کی کوئی جامع و مانع تعریف نہین کیجا سکتی، تاہم تتبع و استقرار سے ہر قوم کے تمدن مین جو قدر مشترک پیدا کیا جا سکتا ہی، وہ صرف یہ ہی کہ تمدن عمارت، زراعت، تجارت، دولت، مذہب، صنعت و حرفت، اور علوم و فنون کے مجموعہ کا نام ہے، تمدن کے اجزاء جوہری جو اسکی حقیقت مین داخل ہین، صرف اسی قدر ہین، اسکے علاوہ عام طرز معاشرت، آداب نشست و برخاست، طریقۂ اکل و شرب، وضع و لباس، غرض اس قسم کی تمام ظاہر فریب اور سطحی چیزین تمدن کی حقیقت کا جز نہین بلکہ اُس کے عوارض و نتائج ہین، اور اسلیئے اُن مین عام طور پر اختلاف نظر آتا ہے،

آج اگرچہ یورپ کی انھی ظاہر فریب چیزون نے تمام دنیا کو فریفتہ کر لیا ہی، اور جو لوگ یورپ کے قالب مین ڈھل جاتے ہین وہ اپنے آپکو اعلےٰ درجہ کا متمدن انسان سمجھتے ہین لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان فلسفیانہ غلطی ہی، یورپ کو تمدنی حیثیت سے ایشیا پر جو ترجیح حاصل ہی، وہ درحقیقت ان چیزون کا نتیجہ نہین ہی، بلکہ جو چیزین تمدن کا جز لازمی ہین ان مین یورپ نے اسقدر ترقی حاصل کر لی ہے کہ قدیم تمدن انکے آگے بالکل ماند پڑ گیا ہے،

دیم ہندوستان کو تمدن کا ایک عظیم الشان مرکز تسلیم کیا جاتا ہی، حالانکہ اگر سطحی چیزون کو مدن کا اصلی جز تسلیم کر لیا جاے، تو قدیم زمانہ کے کسی ہندو کو متمدن قومون کی صف مین ڑے ہونے کا حق حاصل نہوگا، حالانکہ تاریخ نے اسکو مصر و یونان کے دوش بدوش ھڑا کر دیا ہے،

اصول تمدن

دنیا مین تمدن کا ظہور، اگرچہ مختلف مظاہر و اشکال مین ہوتا ہے، تاہم جیسا کہ لیبان نے انقلاب الامم مین تصریح کی ہے، اسکے مبادی و اصول کی تعداد نہایت قلیل محدود ہوتی ہے، لیبان نے اسپر فلسفیانہ حیثیت سے بحث کی ہی، لیکن ہمکو اسپر تاریخی یثیت سے نگاہ ڈالنی چاہیئے،

ہر زمانہ مین تمدن کی بنیاد صرف دو اصول پر قائم ہوتی ہی، مذہب اور سیاست، صر بلکہ یونان نے تمدن کا سنگ بنیاد بھی صرف مذہب کی سطح پر رکھا گیا تھا، لیکن نکے تمدنی اجزاء پیش نظر کر لینے کے بعد یہ حقیقت نمایان طور پر واضح ہوجاتی ہے، روما کا تمدن اگرچہ مصر و یونان کے تمدن کی عکسی تصویر تھا ور اسلئے اس مین مذہبی اصول کا عنصر شامل تھا، تاہم اسکو حقیقی ترقی نظام حکومت نے ی، اس لحاظ سے سیاست کو اسکا اصلی مبدء خیال کرنا چاہیئے لیکن تمدن کی وسعت کے بعد جب علوم و فنون کو ترقی ہوتی ہی، تو فلسفہ بھی تمدن کا ایک عمود بنجاتا ہی لیکن تمدن کے صول اولین درحقیقت صرف مذہب اور سیاست ہو سکتے ہین،

(مذہب)

ماہرین تمدن کے نزدیک اگرچہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہی کہ مذہب تمدن کا موجد

یعنی اسکی علت فاعلی ہی، یا خود تمدن نے مذہب کو پیدا کیا ہی؟ تاہم اس سے کیسکو انکار ہنین کہ تمدنی ترقی مین مذہب کا بہت بڑا حصہ شامل ہی یہی وجہ ہی کہ تمدن زار یورپ سے پہلے مشرق مین مذہب کے ساتھ ساتھ تمدن نے بھی نشو و نما حاصل کی، مصر بالذات یا بالواسطہ روم اور یونان کے تمدن کا ماخذ ہے، اور مصر مین تمدن نے مذہب ہی کی آغوش مین پرورش پائی، خود یونان کے تمام فنون لطیفہ، معابد و ہیاکل، نقش و نگار، موسیقی، رقص و سرود تھیٹر وغیرہ کی ترقی مذہبی خیالات سے ہوئی، اور روم کے فنون لطیفہ پر بھی انکا بہت بڑا اثر پڑا، ہندوستان جن عمارتون پر فخر کرسکتا ہی وہ وہی ہین، جن مین بتون کی پرستش کیجاتی ہے، اور انکے مرصع بت نصب کئے جاتے ہین، مسلمانون نے اگرچہ عقیدۂ توحید کی وجہ سے مصر، یونان، اور ہندوستان کی طرح مصوری اور بت تراشی مین کمال پیدا نہین کیا، تاہم انکے فنون لطیفہ کا مظہر صرف مذہب ہی ہے، چنانچہ مسلمان اپنے مساجد، و مقابر کو بہ ترجیح دنیا کی تمام عبادتگاہون کے مقابل مین پیش کرسکتے ہین، اس بنا پر تمدن کا سب سے زیادہ نمایان اور دلفریب حصہ تمام دنیا مین مذہب ہی کی بدولت وجود مین آیا ہے۔

مذہب کے ذریعہ سے ایک طرف تو بہت سے تمدنی عناصر پیدا ہو جاتے ہین، دوسری طرف مذہب ہی کے ذریعہ سے انکی اشاعت بھی ہوتی ہی، کوئی مذہب اگر عالمگیر، اور داعی مذہب ہی، تو وہ تمام دنیا کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرنیکے لئے اٹھتا ہی، اور دنیا کو کبھی تو خود تمدنی سبق پڑھاتا ہی، اور کبھی خود کچھ سیکھ کے آتا ہی، مسلمانون نے اسلام کی اسی عالمگیری کی بدولت تمام دنیا مین اپنے تمدن کی اشاعت کی، اور دنیا کے تمام تمدنی خزانون کو اپنے دامن مین سمیٹ لیا،

یہ عموماً تسلیم کیا جاتا ہی کہ یورپ کی تمدنی ترقی کی ابتدا جنگ صلیبی کے بعد سے ہوئی اور یہ وہی زمانہ ہی، جس مین تمام یورپ اسلام کی عالمگیر مذہبی طاقت سے ٹکرا گیا تھا، اور اگرچہ اس ٹکر مین عیسائی تعصب کا ٹھوس پتھر چکنا چور ہو گیا، تاہم چقماق کے احتکاک سے جو شرارہ اڑا، اُسی روشنی مین یورپ نے جو کچھ دیکھا وہ مسلمانون کے تمدن کی جلوہ آرائیان تھین، یہی تمدنی منظر کا اثر تھا، جس نے یورپ کو اُس عہد ظلمت سے نکالا، جس مین اُسکو خود اپنے بدنما چہرہ کے خط و خال نظر نہین آتے تھے، اس بنا پر آج اگرچہ یورپ کا تمدن مذہب کے قیود سے بالکل آزاد ہو گیا ہی، تاہم اُس کا سنگ بنیاد مذہب ہی نے رکھا ہی، لیکن اسکے ساتھ اس نکتہ کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے، کہ کوئی متعصب، جامد، ٹھوس، اور غیر داعی مذہب نہ اپنے تمدن کی اشاعت کرسکتا، اور نہ خود دوسرے تمدن سے متاثر ہو سکتا، ہندوؤن کے قدیم تمدن کو اگرچہ انکی مذہبی عزلت گزینی نے تمام دنیا کے اثر سے محفوظ رکھا، تاہم وہ دنیا کے کسی تمدن پر اثر بھی نہ ڈال سکے،

لیکن اس حیثیت سے سب سے زیادہ بدقسمت قوم یہود کی ہی، یہ بدبخت قوم مذہبی تاج و تخت کی قدیم وارث ہی، اس لحاظ سے اسکو دنیا کی تمام قومون سے زیادہ متمدن و مہذب ہونا چاہیئے، با این ہمہ آج دنیا کی بُت پرست قومین بھی اپنے تمدنی مظاہر و آثار کو منظر عام پر نمایان کرسکتی ہین، لیکن یہودیون نے کوہ طور پر برق جمال کی جو چمک دیکھی تھی اُسکا جلوہ کہین نظر نہین آتا، اسکی وجہ صرف یہ ہی کہ ایک طرف تو مذہبی غرور و تعصب سے اُس نے دوسری قومون کی خوشہ چینی گوارا نہین کی، دوسری طرف اُنکے احبار اور روساے مذہب نے اپنے ذاتی اغراض کی بنا پر انکو اسقدر جاہل رکھا کہ وہ خود کسی قسم کی تمدنی ایجاد نہ کرسکے

اسوقت دنیا مین صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہی، جس نے خود تمدنی عناصر کو پیدا کیا، اُنکو نشو و نما دی، اپنے تمدن کو پھیلایا، اور غیر قومون کے بہترین خزانون کو اپنے

جیب د دامن مین جگہ دی، اس بنا پر اگر قدیم زمانہ مین سیاسی حیثیت سے روما تمام دنیا کے
تمدن کا مرقع تھا، تو آج اسلام تمام دنیا کی تہذیب کا مظہر ہے،

(سیاست)

تمدنی عناصر کی تولید، اور اُنکے نشر و اشاعت مین اگر کوئی چیز مذہب کے دوش بدوش
کھڑی ہو سکتی ہی تو وہ سیاست ہے، بلکہ اسکو تمدن کی ایجاد و نشو و نما مین ایک حیثیت سے
مذہب پر بھی ترجیح حاصل ہی، مذہب صرف اپنے عروج کے زمانہ مین تمدن کو ترقی دیتا ہے،
لیکن سیاست اپنے ترقی و تنزل دونون دور مین تمدن کو نشو و نما دیتی ہی، سیاست کے دور
ترقی مین سیاسی ضرورتون سے نئی نئی عمارتین تعمیر ہوتی ہین، نئے نئے دفتر قائم ہوتے ہین نئے
نئے آلے ایجاد ہوتے ہین، نئے نئے لوگ اپنی قابلیت کا اظہار کرتے ہین، زراعت، تجارت،
صنعت و حرفت، غرض تمام چیزون کو ترقی ہوتی ہی، دولت جو تمدن کا قوام و مادہ ہے
اسکی ترقی سیاست ہی کے بدولت ہوتی ہی، اسلئے اسکے ذریعہ سے دفعتہ تمام تمدنی عناصر
عالم وجود مین آجاتے ہین،

قدیم تمدن کی یادگارون مین آج جو عظیم الشان عمارتین باقی رہ گئی ہین، اور جنکو عوام
غیر معمولی انسانون یا ما فوق الفطرت ہستیون کی طرف منسوب کرتے ہین، وہ درحقیقت دولت
ہی کی کثرت کا نتیجہ ہین، لیکن جب دولت کی یہ کثرت قوم کو عیش پرستی کی طرف مائل کردیتی ہے
وہ سرمست بادۂ نشاط و طرب ہوجاتی ہی، تمام ملک اس سرے سے اُس سرے تک رنگین
مزاج ہوجاتا ہے، تو حقیقی سیاسی ترقیان رک جاتی ہین، عدالتون کا دروازہ بند ہوجاتا ہی،
علوم و فنون کی کساد بازاری ہوجاتی ہے، مفید ایجادات و اختراعات کا سلسلہ رک جاتا ہی
زراعت برباد ہوجاتی ہی، تجارت کا بازار سرد ہوجاتا ہی، غرض وہ تمام کام زوال پذیر ہوجاتے ہین

جن مین عزم و استقلال اور قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہی، لیکن اس حالت مین بھی تمدنی
ترقی کا خاتمہ نہین ہوتا، اب تمدن کی صبح کاذب نمودار ہوتی ہی، اور ایجادات و اختراعات کا
رُخ دوسری چیزون کی طرف پھر جاتا ہی، عیش و نشاط کے سیکڑون سامان مہیا ہوجاتے ہین،
تراش و خراش مین نئی نئی جدتین پیدا ہوجاتی ہین، رنگین مزاجیون کی بہار آجاتی ہی، ہر گلی،
ہر کوچہ عطر بیز ہوجاتا ہے، قدیم تمدنی سرمایہ مین اگرچہ اب کوئی اضافہ نہین ہوسکتا، تاہم
اُسکی یادگارین قائم رہتی ہین، اسلئے ان پر جب ان چیزون کا رنگ چڑھجاتا ہی تو مادہ و صورت
اور جوہر و عرض کا یہ مجموعہ ایک نیا عالم پیدا کردیتا ہی، اس حالت مین اگرچہ ایک فلسفی
تمدنی ترقی سے بالکل مایوس ہوجاتا ہی تاہم ایک ظاہر بین سیاح کی ذوق نظر کیلئے اس سے
بڑھکر اور کیا سامان ہوسکتا ہی؟

سیاست صرف تمدنی عناصر کو پیدا ہی نہین کرتی، بلکہ وہ تمام دنیا مین اسکی اشاعت
بھی کرتی ہے، ایک ترقی یافتہ نظام سیاست کیلئے جنگ ایک لازمی چیز ہی، جنگ کو اگرچہ
زمانۂ وحشت کی یادگار خیال کیا جاتا ہی، لیکن درحقیقت وہ تمدنی ترقی، اور تمدنی نشو و نما کا
بال و پر ہے، یونان کا قدیم تمدن وہان کے فلاسفرون کا ذرہ بھر بھی مرہون منت نہین
اُسکو مذہب نے پیدا کیا، اور سیاست نے اُسکی اشاعت کی، سکندر کی فتوحات کو دنیا کیلئے
ایک سیلاب عظیم خیال کیا جاتا ہی، لیکن درحقیقت یہی سیلاب تھا جسکی رَو مین یونان کا
تمدن تمام مشرق مین پھیل گیا،

جنگ صلیبی دنیا کیلئے سب سے بڑی مصیبت تھی، لیکن اسی مصیبت کے زمانہ مین یورپ نے
مسلمانون سے تمدن کا پہلا سبق پڑھا، مسلمانون نے چاردانگ عالم مین اپنے تمدن کی اشاعت
فتوحات ہی کے ذریعہ سے کی، آج دنیا کے گوشہ گوشہ مین یورپ کا تمدن ساری ہی لیکن کس طرح؟

اخلاق نبوی کا ایک عظیم الشان مظہر

یعنی

محدثین کرام کے فضائل اخلاق

(۲)

جرأت وآزادی

مذہب، علم، اخلاق اور سیاست کی بربادی کی تاریخ اگر مرتب کیجائے تو اس کا اصلی سبب علمار کی مداہنت قرار پائیگی، لیکن محدثین کرام کی غیر متزلزل اخلاقی جرأت نے ہمیشہ ان چیزون کی محافظت کی، ایشیا مین امرار وسلاطین کا گروہ نہایت مطلق العنان خیال کیا گیا ہے لیکن محدثینِ کرام نے ہر موقع پر اس گروہ کی بے اعتدالیون پر روک ٹوک کی، اور قوت واقتدار کا خوف، اور جاہ ومال کا اثر انکو اس سے نہ روک سکا، ایکبار امین نے کوئی ایسا فقرہ کہدیا جس سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ وہ خلق قرآن کا قائل ہے، حافظ اسمعیل بن علیہ کو خبر ہوئی تو اسکے دربار مین پہنچے، اُسکو برا بھلا کہا، اور اُسپر حملہ کرنا چاہا نتیجہ یہ ہوا کہ امین نے اس غلطی پر توبہ کی،[1]

ایکبار امام سفیان ثوری، مہدی کے پاس گئے، اور کہا کہ عمرؓ نے اپنے حج مین صرف بلہ درہم صرف کئے تھے، اور تمہارا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے، مہدی نہایت برہم ہوا اور کہا کہ آپ چاہتے ہین کہ مین بھی آپکی طرح ہو جاؤن، بولے، اگر تم میری طرح ہونا پسند نہین کرتے تو کم از کم موجودہ حالت مین تو کمی کر سکتے ہو"[2]

امام محی الدین نووی کا عام دستور یہ تھا کہ ہمیشہ بادشاہون کے ظلم وعدوان پر روک ٹوک کرتے رہتے تھے، اور خط کتابت کے ذریعہ سے اُنکو علما کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے،

---

[1] طبقات الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۰۵،

ایکبار شام کے لوگ قحط کی وجہ سے سخت مصیبت مین مبتلا ہوئے تو اُنھون نے بادشاہِ وقت بدر الدین کو اسکی طرف توجہ دلائی، اُنھون نے دار العدل مین سلطانِ ظاہر پر اس کثرت سے دارو گیر کی کہ خود وہ کہا کرتا تھا کہ مین اُنسے سخت گھبراتا ہون،[1]

امام عبد الغنی بن واحد نے اپنی زندگی کا مقصد صرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قرار دیا تھا، اور اس مذہبی خدمت کے انجام دینے مین سخت سے سخت خطرات کو برداشت کرتے تھے، ایکبار اُنھون نے ایک شخص کی شراب زمین پر گرا دی، اُس نے فوراً تلوار کھینچ لی، لیکن وہ بالکل نہین گھبرائے، اور جھپٹ کر اسکے ہاتھ سے تلوار چھین لی، ایک بار شاہی حکم سے باجا بج رہا تھا، اُنھون نے دیکھا تو سب کو توڑ پھوڑ ڈالا، قاضی کو خبر ہوئی تو اُس نے بلوایا کہ آکر ان چیزون کے متعلق مناظرہ کر لین، بولے، یہ باجے قطعاً حرام ہین، مین خود نہ جاؤنگا، اگر قاضی کو ضرورت ہو تو خود آئے، چپراسی دوبارہ آیا، اور کہا کہ آپ نے شاہی باجے کو بیکار کر دیا ہے، آپ کو ضرور چلنا پڑیگا، بولے، "خدا بادشاہ اور قاضی دونون کی گردن مارے"، بالآخر چپراسی واپس گیا اور پھر پلٹ کر نہ آیا،[2]

یہ آزادی محدثین کی عام امتیازی خصوصیت خیال کیجاتی تھی، اسلئے اگر اس گروہ مین کوئی شخص اس اخلاقی روش سے ہٹ جاتا تھا تو اسکے لئے یہ نہایت ننگ وعار کا موجب سمجھا جاتا تھا، علامہ ذہبی حافظ ابوبکر محمد اشبیلی کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

تعلق باذیال الملک ولم یجر مجری	اُنھون نے بادشاہون کا دامن پکڑا اور تمام علمار
العلما فی مجاھرۃ السلاطین	کی طرح بادشاہون کی آزادانہ روک ٹوک نہین کی
وحربھم بل داھن[3]،	بلکہ مداہنت سے کام لیا،

---

[1] طبقات الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۲۶۳، [2] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۷۰، [3] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۹۱،

لیکن محدثین مین یہ اخلاقی جرأت صرف زہد وقناعت نے پیدا کی تھی، اوپر گذر چکا ہی کہ قبیصہ بن عقبہ نے دامن مین روٹی کا ایک ٹکڑا رکھکر کہا تھا کہ "جو اس پر قانع ہو، اسکو بادشاہ کے لڑکے کی کیا پروا ہو سکتی ہے"،

سادہ زندگی

لیکن اس بے نیازی کا اصلی سبب یہ تھا کہ محدثین کرام اسقدر سادہ زندگی بسر کرتے تھے کہ انکو امراء وسلاطین کی فیاضیون کی کوئی ضرورت ہی نہین ہوتی تھی، امام نودی کو انکے والد کی طرف سے انجیر اور روٹی ملتی تھی، اور وہ اسی پر اپنا گذر اوقات کرتے تھے، اسکے علاوہ تمام مزخرفات دنیوی سے قطع تعلق کر لیا تھا، نہ حمام مین جاتے تھے، نہ کسی قسم کا میوہ کہاتے تھے، نہ عمدہ لباس پہنتے تھے، انکے لئے موٹا جھوٹا کپڑا کافی تھا، اور اسمین بھی پیوند لگے رہتے تھے[۱]،

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ محدثین کرام نے یہ طرز زندگی مجبورانہ طور پر اختیار کیا تھا بعض محدثین نہایت دولتمند تھے، لیکن با این ہمہ انھون نے محدثین کی اس عام روش کو قائم رکھا، علامہ ذہبی امام محمد بن عبد اللہ کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

ورَوح الی الجمعة وقمیصه مرقوع — اور جمعہ مین پیوند لگا ہوا کرتہ پہن کر گئے، اور اگر وہ چاہتے

ولو شاء ان یلبس ارفع مایکون لانه کان — تو عمدہ سے عمدہ کپڑا پہن سکتے تھے، کیونکہ ان کے پاس

عنده من المال امر کثیر[۲] — کثرت سے مال تھا،

حافظ عبد الغنی اسقدر متمول اور فیاض تھے کہ راتون کو لوگون کے مکان پر خفیہ طور پر آٹے کی بوریان رکھ آتے تھے، لیکن با این ہمہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے[۳]،

محدثین کا اثر

لیکن با این ہمہ فقر وفاقہ دنیاے اسلام پر محدثین کا یہ اثر تھا کہ انکے سامنے بڑے بڑے جبابرہ کی گردنین جھک جاتی تھین، اوپر گذر چکا ہے کہ سلطان ظاہر ایک محدث کی نسبت

۱؎ طبقات الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۲۶، ۲؎ ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۰، ۳؎ ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۷،

کہا کرتا تھا کہ مین ان سے گھبراتا ہون، مامون الرشید مسئلہ خلق قرآن کا قائل تھا، اور اسکی اشاعت کرنا چاہتا تھا، لیکن اسکو یزید بن ہارون کا خوف اسکی اجازت نہین دیتا تھا، وہ خود کہا کرتا تھا کہ "اگر یزید بن ہارون نہوتے تو مین اس عقیدہ کا علانیہ اظہار کرتا"، لوگون نے کہا "یزید کون شخص ہے جس سے آپ ڈرتے ہین"، بولا، اگر مین اسکا اعلان کرون تو وہ اسکی تردید کرینگے، اور ایک فتنہ عظیم اٹھ کھڑا ہوگا[۱]،

ایکبار امام مالک خلیفہ ابوجعفر کے یہان تشریف لیگئے، دیکھا کہ ایک لڑکا آآ کر واپس جاتا ہے، جعفر نے کہا، آپ جانتے ہین یہ کون ہے؟ یہ میرا لڑکا ہی، لیکن آپکے خوف سے آنے کی جرأت نہین کر سکتا[۲]،

قوم پر یہ اثر تھا کہ لوگ محدثین کرام کی آستان بوسی کو اپنے لئے مایۂ عز وافتخار سمجھتے تھے، ابو سعد کا بیان ہے کہ "مین ایکبار ابو سعد بن بغدادی کے دروازہ پر دیر تک کھڑا رہا، وہ نکلے تو معذرت کی کہ مین نے آپکو اتنی دیر تک کھڑا رکھا، انھون نے کہا کہ محدثین کے دروازہ پر کھڑا رہنا عزت ہے[۳]،

عزت وشہرت کا آخری مرکز سلطنت ہے، لیکن اس معاملہ مین صرف محدثین ہی کا بوریاے فقر تخت شاہی کا مقابلہ کر سکتا تھا، عبد الرحمن بن واقد کا بیان ہی کہ مین نے مدینہ مین جاکر امام مالک کے دولتکدہ کو دیکھا تو معلوم ہوتا تھا کہ کسی امیر کا دروازہ ہے[۴]،

حافظ عبد الغنی گھر سے نکلتے تھے تو لوگ بازارون مین صف بستہ کھڑے ہو کر انکی زیارت سے مشرف ہوتے تھے، مصر مین جمعہ کے لئے گھر سے روانہ ہوتے تھے تو راستہ مین لوگون کا اسقدر ہجوم ہوتا تھا کہ انکے ساتھ چلنا دشوار ہو جاتا تھا، محمود بن سلامہ الحرانی کا بیان ہی کہ اصفہان کے لوگون پر انکا یہ اثر تھا کہ اگر وہ وہان کے بادشاہ ہونا چاہتے تو نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتے تھے[۵]،

۱؎ طبقات الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۹۰ ۲؎ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ ۳؎ ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۸ ۴؎ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۸۶ ۵؎ ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۰۱،

امام فریابی بغداد مین آے تو لوگون نے شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ انکا استقبال کیا اور ایک خاص مقام پر سماع حدیث کے لئے ایک مجلس منعقد کی جس مین تقریباً تیس ہزار آدمی جمع ہوئے، جس مین صرف مستملی ۳۰۶ تھے[۱]،

حافظ ابو یعلی نے وفات پائی تو اُنکے ماتم مین اکثر بازار بند ہوگئے[۲]،

حافظ دار قطنی مصر سے روانہ ہوے تو لوگون نے بادیدۂ پُرنم انکو الوداع کہا[۳]،

لیکن بااین ہمہ عزوجاہ محدثین کی اخلاقی حالت امرا و سلاطین سے بالکل مختلف تھی، امرا و سلاطین بلکہ دنیا دار علما تک کا مقصد جاہ واقتدار کے سوا کچھ نہین ہوتا، لیکن محدثین نے اس دنیوی عزت کو ہمیشہ اپنے اصلی مقصد یعنی خلوص کے منافی سمجھا، یہی وجہ ہے کہ حافظ حمام بن یحیی فرماتے تھے کہ مین نیکی کے کامون مین حدیث کے سوا تمام نیک اعمال کے متعلق اللہ تعالےٰ کی ذات سے ثواب کی توقع رکھتا ہون[۴]،

امام سفیان ثوری کا قول تھا کہ "علم حدیث کی تحصیل موت کا زاد راہ نہین ہوسکتی، وہ صرف انسان کا ایک مشغلہ ہے" ابو اسامہ کہتے ہین کہ "انکا یہ قول بالکل صحیح ہے، کیونکہ حدیث کی تحصیل خود حدیث سے مختلف چیز ہے، انسان اکثر اسکے ذریعہ سے فخر و نمود کا خواستگار ہوتا ہے، اور ستائش آمیز کلمات اور معزز القاب حاصل کرکے اپنا دل خوش کرتا ہے[۵]،

سلاطین و امرا اقتدار حاصل ہوجانیکے بعد اپنے سوا تمام دنیا کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہین، لیکن محدثین کرام تمام دنیا کو اپنے مساوی سمجھتے تھے، اسلئے ہر شخص کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرتے تھے، ایکبار امام ہارون سایہ مین بیٹھکر درس دے رہے تھے اور طلبا دھوپ مین بیٹھے ہوئے تھے، امام احمد بن حنبل نے دیکھا تو کہا کہ طلبہ کے برابر بیٹھکر درس دیجیے[۶]۔

محدثین کے فضائل اخلاق کی یہ نہایت ناکمل تصویر ہے، آخر آسمان کے ستارون کو کون گن سکتا ہے؟۔

[۱] طبقات الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۷۶، [۲] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۰، [۳] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۵۰، [۴] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۸۱، [۵] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۸۴، [۶] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۶۲،

اخبار وسیر

سولی پر اسلام کی سب سے پہلی لاش

حضرت خبیبؓ بن عدی

نام ونسب نام نامی خبیبؓ تھا، اور قبیلۂ اوس سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے خبیب بن عدی بن مالک بن عامر بن مجدعہ بن جحجبی بن عوف بن کلفہ بن عوف بن مالک بن اوس،

اسلام ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے،

غزوات غزوۂ بدر مین شریک تھے، چیزون کی نگرانی سپرد تھی[۱]، اس غزوہ مین اُنھون نے حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا[۲]،

سنہ ۳ھ مین غزوۂ رجیع ہوا، آنحضرت صلعم نے عاصم بن ثابت انصاری کو دس آدمیون کا امیر بناکر جاسوسی کیلئے روانہ فرمایا تھا، عسفان اور مکہ کے درمیان مین ہذیل کا ایک قبیلہ لحیان رہتا تھا، اسکو خبر ہوگئی، سَو تیر اندازون نے اس مختصر جماعت کو آکر گھیر لیا، سات آدمی اسی جگہ لڑکر قتل ہوگئے، تین شخص جن مین ایک حضرت خبیبؓ بھی تھے، زندہ بچے، انکی جان بخشی کا عہد وپیمان ہوا، اور پہاڑی پر سے نیچے اُترے، ان لوگون نے کمانون کے تار کھول کر انکے ہاتھ باندھے، ایک غیرتمند اس بے عزتی کو نہ دیکھ سکا، اور مردانہ وار جان دی، اب صرف دو شخص باقی رہ گئے[۳]، انکو لیجاکر مکہ کے بازار مین فروخت کیا، اسلام کے اس یوسف کو حارث بن عامر کے بیٹون نے خریدا جسے غزوۂ بدر مین اُنھون نے قتل کیا تھا[۴]،

عقبہ بن حارث نے اپنے گھر مین لاکر قید کیا[۵]، ہاتھ مین ہتھکڑیان پہنائین[۶]، اور موہب کو نگرانی

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۹، [۲] ایضاً صفحہ ۵۶۸، [۳] ایضاً، [۴] استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۶۸، [۵] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۵،

تعینات کیا[1]، عقبہ کی بیوی کہانا کہلاتے وقت ہاتھ کھول دیا کرتی تھی[2]،

کئی مہینہ قید رہے اشہر حرم گذر گئے تو قتل کی تیاریان ہوئین[3]،

حضرت خبیب نے موہب سے تین باتون کی درخواست کی تھی[4]،

(۱) مجھکو میٹھا پانی پلانا، (۲) بتون کا ذبیحہ نہ کہلانا، (۳) قتل سے پہلے خبر کردینا،

یہ اخیر درخواست عقبہ کی بیوی سے بھی کی تھی، قتل کا ارادہ ہوا تو اس نے انکو آگاہ کردیا[5] انھون نے طہارت کے لئے اس سے استرہ مانگا، اس نے لاکر دیدیا، اسکا بچہ کھیلتا کھیلتا انکے پاس چلا آیا انھون نے اسکو اپنی زانو پر بٹھایا، مان کی نظر پڑی تو دیکھا ننگا استرہ انکے ہاتھ مین ہی، اور بچہ انکی زانو پر ہے، یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھی، حضرت خبیب نے فرمایا، کیا تمہارا خیال ہی کہ مین اپنے خون کا انتقام اس بچہ سے لونگا، حاشا یہ ہماری شان نہین[6]، پھر مزاح مین کہا کہ اب اللہ نے تپر مجھکو قادر کردیا، بولی کہ تم سے تو یہ امید نہ تھی، انھون نے استرہ اسکے آگے ڈالدیا[7]۔

حضرت خبیب کی باتون کا اسیر خاص ہوا، کہتی تھی کہ مین نے خبیب سے بہتر کسی قیدی کو نہ دیکھا، مین نے بارہا انکے ہاتھ مین انگور کا خوشہ دیکھا، حالانکہ اس زمانہ مین انگور کی فصل بھی نہ تھی اسکے علاوہ وہ بندھے ہوئے تھے، اسلئے یقیناً وہ خدا کا دیا ہوا رزق تھا، جو خزانۂ غیب سے انکو ملتا تھا[8]،

شہادت | حضرت خبیب کے قتل مین بڑا اہتمام کیا گیا تھا، حرم سے باہر تنعیم مین سولی[9] لٹکائی گئی کثرت سے آدمی جمع کئے گئے، مرد، عورت، بوڑھے، بچے امیر و غریب، وضیع و شریف غرض ساری خلقت تماشائی تھی، لوگ عقبہ کے گھر انکو لینے کے لئے آئے، فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ، دو رکعت[10] نماز پڑھ لون، زیادہ پڑھونگا تو تم کہوگے کہ موت سے گھبرا کر بہانہ ڈھونڈھ رہے ہین، نماز سے فارغ ہوکر مقتل کی طرف روانہ ہوئے، راستہ مین کہرہے تھے اللھم احصہم عددا و اقتلہم بددا و لا تبق منہم احدا!

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۴۰، [2] استیعاب جلد ا صفحہ ۱۶۸، [3] طبقات ابن سعد صفحہ ۴۰ [4] الضاً [5] استیعاب جلد ا صفحہ ۱۶۸، [6] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۵، [7] استیعاب جلد ا صفحہ ۱۶۸، [8] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۵، [9] استیعاب جلد ا صفحہ ۱۶۸، [10] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۵

پھر یہ چند شعر پڑھتے ہوے ایک بڑے درخت کے نیچے پہنچے،

وذالک فی ذات الالہ وان یشاء	یبارک علی اوصال شلو ممزع
یہ جو کچھ ہو رہا ہے خدا کی محبت مین اگر وہ چاہے	تو ان کٹے ٹکرون مین برکت نازل کریگا
ولست ابالی حین اقتل مسلما	علی ای جنب کان فی اللہ مصرع
اگر مسلمان رہ کر مین مارا جاؤن تو	مجھے غم نہین کہ کس پہلو پر خدا کی راہ مین پچھاڑا جاؤن

آہ! یہ کیسا عجیب منظر تھا، اسلام کے ایک آوارہ وطن فرزند پر غربت مین کیسے ظلم و ستم ہو رہے تھے، بطحا ء کفر کا خونی قاتل، توحید کو کس طرح ذبح کر رہا تھا، یہ سب کچھ تھا لیکن مجسمۂ اسلام اب بھی پیکر صبر و رضا بنا ہوا تھا، مسیح ناصری سے اس فرزند توحید کا مقابلہ کرو، تو اسلام و نصرانیت کی اخلاقی تعلیم پر صاف روشنی پڑیگی، وہان ایلی ایلی لما سبقتنی (اے خدا تونے مجھے کیون چھوڑ دیا) زبان پر تھا[1] اور یہان خدا کی رضا جوئی مین اطمینان و مسرت کا اظہار تھا،

آنحضرت صلعم کو اس فاجعۂ عظمیٰ کی خبر وحی کے ذریعہ سے ہوئی، فرمایا اے خبیب! تجہپر سلام[2]! پھر عمرو بن امیہ ضمری کو مکہ بھیجا کہ اس شہید وفا کی لاش کا پتہ لگائین، عمرو رات کو سولی کے پاس ڈرتے ڈرتے گئے، اور درخت پر چڑھکر رسی کاٹی، جسد اطہر زمین پر گرا، چاہا کہ اتر کر اٹھالین لیکن یہ جسم زمین کے قابل نہ تھا، فرشتون نے اٹھاکر اس مقام پر پہنچایا جہان شہیدان راہ خدا کی روحین رہتی ہین، عمرو کو سخت حیرت ہوئی بولے کہ کیا زمین تو نہین نگل گئی[3]،

قتل کرتے مشرکین نے قبلہ رخ نہین کیا تھا، لیکن جو چہرہ قبلہ کیطرف رخ کر چکا تھا، وہ کسی دوسری طرف کیونکر پھر سکتا تھا، بار بار مشرکین نے پھیرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی[4]، حضرت خبیب نے جو دعا کی تھی، اسکا اثر ایک سال کے اندر ظاہر ہوگیا، جو لوگ انکے قتل مین شریک تھے، نہایت بیکسی کی حالت مین مارے گئے[5]،

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را	چندان امان نداد کہ شب را سحر کند

[1] یہ موجودہ انجیل کا بیان ہی، قرآن مجید سے اسکو تعلق نہین، [2] فتح الباری صفحہ ۲۹۵ جلد ۷، [3] اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۴، [4] الضاً، [5] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۹۵

باب التقریظ والانتقاد

دیوان حسرت

(۲)

از مولانا عبد السلام ندوی

حسن کلام خاص خاص عنوانات کے تحت مین ہم حسرت کے محاسن شاعری کو نمایان کر چکے، لیکن یہ ایک دریا ہے جس کی لہرون کو گنا نہین جاسکتا، محاسن کلام کے غیر محدود طرق ہین، اور اُن سب کے لیے عنوانات کا قایم کرنا ازبس مشکل ہو کہ

بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

اس لیے ہم حسرت کے محاسن شاعری پر ایک عام ریویو کرتے ہین، کلام مین کبھی حسن محض ایک محذوف فقرے سے پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ ذہن اسکی طرف آسانی سے منتقل ہو سکے، حسرت کے کلام مین اسکی متعدد عمدہ مثالین ملتی ہین، مثلاً وہ پہلے تو تسلیم کرلیتا ہے کہ اب میرے دل کا وجود ہی نہین لیکن اس جملے کو محذوف کرکے کہتا ہے،

دل مضطر کو ڈھونڈھو اُس گلی مین — وہین ہو گا کہین موجود اگر ہے

وہ معشوق کو وفور شوق مین چھیڑتا ہے، اسلیے وہ شرماتا ہے، جھنجھلاتا ہے، لیکن وہ اس کا اظہار نہین کرتا کہ یہ شرمانا اور جھنجھلانا چھیڑنے کا نتیجہ ہے، بلکہ صرف اسقدر کہتا ہے،

بیباک تھا زبسکہ مرا اضطراب شوق — شرما کے وہ کبھی کبھی جھنجھلا کے رہ گئے

معشوق کو ہزار سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا کہ کرم کسکو کہتے ہین، عاشق نے ہزار ظلم اُٹھائے لیکن لب شکایت سے آشنا نہ ہوے، حسرت اسکو بالکل مخفی رکھتا ہے اور کہتا ہے،

تم یہ پھر بھی تو نہ سمجھے کہ کرم ہو کیا شے — ہمنے پھر بھی تو نہ جانا کہ شکایت کیا ہے

[عا]شق پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اُسنے معشوق کو دیکھا، وہ اس الزام کو مخفی رکھتا ہے، اور صرف [ج]واب پر قناعت کرتا ہے،

وفور حسن سے ٹھری بھی ہو جب اُنپہ نگاہ — یہ مجھپہ مفت کی تہمت لگائی جاتی ہے

[ش]عر مین کبھی کبھی حُسن صرف ایک لفظ سے پیدا ہوتا ہے، اور حسرت کے کلام مین اس قسم کے [مت]عدد الفاظ ملتے ہین مثلاً

اللہ رے حُسنِ یار کی خوبی کہ خود بخود — رنگینیون مین ڈوب گیا پیرہن تمام

روشن جمالِ یار سے ہی انجمن تمام — دہکا ہوا ہے آتشِ گُل سے چمن تمام

کیا کیجیے بیان اُس تنِ نازک کی حقیقت — خوشبو مین ہو گُل بو تو لطافت مین ہو رنگ

[ا]ن اشعار کا لطف صرف "ڈوب گیا" "دہکا" "کل" "سب" مین ہے،

بعض اوقات اس قسم کے الفاظ جب دلیل کا کام دیجاتے ہین تو شعر کی لطافت اور بھی بڑھ جاتی ہی مثلاً

بھولی نہین دلکو تری دزدیدہ نگاہی — پہلو مین ہو کچھ کچھ خلشِ تیر ابھی تک

اس دعوی کو صرف "کچھ کچھ" کے لفظ نے ثابت کیا ہے،

بعض اوقات واقعہ کی تصویر اس قدر مکمل کھنچ جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سچ مچ ہمارے سامنے پیش آیا تھا، اسلیے اس واقعیت کا دل پر خاص اثر پڑتا ہے مثلاً کبھی کبھی انسان کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے، راز فاش ہو جاتا ہی تو اقرار اور انکار دونون نہین کرسکتا، ندامت کی حالت مین صرف قسم کھا کر رہ جاتا ہے، حسرت اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ مین کھینچتا ہے

ٹوکا جو بزم غیر سے آتے ہوئے انھین — کہتے بنا نہ کچھ وہ قسم کھاکے رہ گئے

کبھی کبھی اس قسم کے موقعون پر آدمی بات بنانا چاہتا ہے لیکن بات بھی نہین بنائی جاتی،

پڑی تھی بزم رقیبان مین ایسی کیا افتاد — کہ بات بھی نہین تمسے بنائی جاتی ہے

معشوق عاشق کے پاس نہایت شرم وحیا کے ساتھ آتا ہے اسکی تصویر حسرت اسطرح کھینچتا ہے

کہ گویا کوئی معشوق اس شان سے خود ہمارے سامنے آتا ہے،

چادر مین چھپے ہوئے حیا سے　　کیا کہئے وہ آئے کس ادا سے

معشوق دفعتہً عاشق کا سرمایۂ صبر وقرار اُڑا لیجاتا ہے اور وہ ہکا بکا ہوکر رہ جاتا ہے حسرت

اُسکی تصویر یون کھینچتا ہے،

چل بھی دیے وہ چھین کے صبر وقرار دل　　ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہی کیا

کبھی کبھی ضد پر اُس شے کا اطلاق کرنے سے کلام مین خوبی پیدا ہوتی ہے، مثلاً معشوق چاہتا

تھا کہ اسکی ادائین عاشق نہ دیکھ سکے، اسلیے وہ چھپ گیا، اب عاشق خود اس چھپنے کو ایک ادا

قرار دیتا ہے اور اُس سے مسرور ہوتا ہے،

چھپے وہ مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی　　وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری

خامی　باوجود ان گوناگون خوبیون کے حسرت کا کلام لغزشون سے خالی نہین، مثلاً

جذب دل کی اسے سمجھے نہ کرامات کوئی　　ان کو لائی ہی یہان فضلِ خدا کی تاثیر

فضل خدا کی تاثیر بالکل محاورہ کے خلاف ہے، صرف یہ بولا جاتا ہے کہ فلان کام فضل خدا سے ہوگیا

بظاہر وہ گو لاکھ مجھ سے خفا ہون　　مگر دل ہی دل مین محبت وہی ہے

اس مین گو اور لاکھ دونون مین ایک زائد ہے،

ایک حائل ہے وصل مین بھی پہاڑ　　پردۂ شرم درمیانی کا

اس قسم کے موقعون پر صرف دیوار حائل ہونا بولتے ہین، پہاڑ حائل ہونا کوئی محاورہ نہین

جلال مرحوم کہتے ہین،

یون مکدر ہو نہ تم محفل مین آ بیٹھے جو ہم　　اُٹھ گئی دیوار دیکھو سامنا جاتا رہا

کہان سے آئی خدا جانے زلف یار کی بو　　کچھ امتیاز نسیم وشمال ہو نہ سکا

شمال اوتر کی ہوا کو کہتے ہین اور نسیم کو کسی جہت سے کوئی تعلق نہین اسلیے دونون مین کوئی

تناسب ہے نہ مقابلہ، عربی مین صبا بے شبہ پورب کی ہوا کو کہتے ہین لیکن اُردو اور فارسی مین

صبح کی ہوا پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اس مین کسی جہت کی قید نہین، عجب نہین کہ "نسیم" کے

بجاے "یمین" ہو، چونکہ تصحیح حسرت خود نہ کرسکا، غلطیان رہ گئین،

عاشقی اُس کی معتبر نہ ہوئی　　جو ترا بندۂ نظر نہ ہوا

بندۂ نظر ایک بے معنی ترکیب ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو بندۂ نظر ہونے سے عاشقی کیون معتبر ہوگی؟

اس کا شعر مین کوئی ثبوت نہین،

مرٹے ہم کہ دین وہ داد وفا　　اور جو اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا

مرٹے بصیغۂ ماضی صحیح نہین، یون کہنا چاہیے کہ ہم تو داد وفا لینے کے لیے مرٹین، لیکن اگر

اس کا بھی اثر نہ ہوا، غالباً اصل مسودہ مین "مرٹین" ہوگا"

آہ اُس التفات ناز کی یاد　　وہ جو پھر بارۂ دگر نہ ہوا،

بارۂ دگر صحیح نہین، بارِ دگر کہنا چاہیئے، فارسی مین یکبارہ مستعمل ہے لیکن وہ ایک مستقل لفظ

بن گیا ہے جس کے معنی دفعتہً کے ہین،

حسرتین وقفِ طرب ہین آرزو محوِ سرور　　بخت نے کھولا ہے روے شوق پر باب نشاط

آرزو مین ہونا چاہیے، کہ توازن ہوجائے،

قید کا لطف نہین فرحت آزادی مین

فرحت آزادی اچھی ترکیب نہین،

غرض ہے اُس رُخِ گلگون سے بس اتنی میری　　لکھ لیا جائے مرا نام بھی حیرانون مین

حیرانی کے لیے رخِ مصفا، رخِ سادہ، رخِ شفاف موزون تھا، کہ آئینہ سے مشابہت پیدا ہوجائے،
گلگون کو حیرانی سے کوئی مناسبت نہین،

مین ہون اے زلف سیہ تیرے پرستانون مین

پرستانون، غلط ہے، پرستارون صحیح ہے، چونکہ یہ دوسرا مصرعہ ہی اسلیے طبع کی غلطی نہین کہی جاسکتی،

اب ہم حسرت کے چند عمدہ اشعار سناکر رخصت ہوتے ہین،

گر جوشِ آرزو کی ہین کیفیتین یہی
مین بھول جاؤنگا کہ مرا مدعا ہی کیا،

سناتے ہین انھین افسانۂ قیس
بہانے ہین یہ عرضِ مدعا کے

لطف پر ختم ستم کرتے ہین
کرنے پاتا نہین شکوا کوئی

ابتک درِ قبول سے نالے پھرے نہین
کیا جانیے کہ ہوکے پشیمان کدھر گے

ہر گھڑی شیخ کو ہے فکرِ ثواب
یہ بھی اک طرح کا عذاب ہوا

شب وصال شب ماہ گر نہین تو نہو
اک آفتاب تو ہے ماہتاب کے بدلے

بلاے جان ہین شہیدون کو تیرے حور و قصور
یہ کیا عذاب ملا ہی ثواب کے بدلے

فریب سب ہین یہ آغاز عشق کے حسرت
وہ لین گے اس کرم بےحساب کے بدلے

حسن سے اپنے وہ غافل تھا مین اپنے عشق سے
اب کہان سے لاؤن وہ ناواقفیت کے مزے

صحتین لاکھون مری بیماری غم پر نثار
جسمین اٹھے بارہا انکی عیادت کے مزے

دیکھ لے تم جانان۔ یہ نقشِ محبت ہین
بنتے ہین بہ دشواری مٹتے ہین بہ آسانی

تھا حجاب انکا مری حیرت سے سرگرم کلام
تھی بظاہر خامشی در پردہ خاموشی نہ تھی

افسانۂ مصائب ہجران تھا درد خیز
غمخوار کو بھی میرے سر غمگسار ہے

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ حالی

(۳۰)

بنام مولانا شبلی مرحوم

مولانا! دستۂ گل پہنچا، مین نے اس مجموعہ کا نام تو احسن اللہ خان ثاقب سے جو ابھی میرے ہان مہمان رہ کر گیے ہین، سُنا تھا اور مجھے یاد پڑتا ہی کہ لائبریری پانی پت مین مین نے اسکے منگوانے کو بھی لائبریرین سے کہدیا تھا، مگر ابتک دیکھنے کا موقع نہین ملا تھا، اب جو آپنے عنایت فرمایا تو اول سے آخر تک اسکو دیکھا، کوئی کیونکر مان سکتا ہی کہ یہ اُس شخص کا کلام ہے، جس نے سیرۃ النعمان، الفاروق اور سوانح عمری مولانا روم جیسی مقدس کتابین لکھی ہین، غزلین کاہیکو ہین شراب دو آتشہ ہے، جسکے نشہ مین خمارِ چشم ساقی بھی ملا ہوا ہے، غزلیات حافظ کا جو حصہ محض رندی و بیباکی کے مضامین پر مشتمل ہے، ممکن ہی کہ اُسکے الفاظ مین زیادہ دلربائی ہو مگر خیالات کے لحاظ سے تو یہ غزلین اُس سے بہت زیادہ گرم ہین،

درد دل بودن درین رہ سخت تر عیبیست سالک را
خجل ہستم ز کفرِ خود کہ دارد بوے ایمان ہم

شاید لوگ تعجب کرین کہ اس شعر مین وجد کرنے کی کونسی بات ہی، مگر اس شعر سے ہر شخص لطف نہین اٹھا سکتا الا الذی ابتُلی بمثل ما ابتلی بہ القائل

میرا ارادہ تھا کہ اپنا فارسی کلام نظم و نثر جو کچھ ہی اسکو بھی چھپوا کر شایع کردون، مگر دستۂ گل دیکھنے کے بعد میری غزلین خود میری نظر سے گر گیئن، ولیس فی ذلک شائبۃ من التصنع

آپ کے اکثر علیل رہنے کا سخت افسوس ہوا، خدا تعالی صحت کامل عنایت کرے، اور بہت دن تک زندہ و سلامت رکھے، والسلام خیر ختام،

خاکسار
الطاف حسین حالی

ادبیات

خواجہ میر درد دہلوی کے بھائی میر آثر دہلوی کا کلام

مثنوی خواب وخیال جسکا ذکر شذرات مین گذر چکاہے، میر اثر نے جابجا اُسمین اپنی غزلین بھی لکھی ہین، صفائی، روانی، اور سادگی خیال دیکھیئے، اُنکا کلام کبھی چھپا نہین،

نہ لگا، لیگئے جہان دل کو — آہ لے جایئے کہان دل کو
مجھسے لے تو چلے ہو دیکھو، پر — توڑیو مت کہین میان دل کو
آزما اور جس مین چاہے تو — صبر مین کر نہ امتحان دل کو
یون تو کیا بات ہی تری لیکن — وہ نہ نکلا جو تھا گمان دل کو
رکھ نہ اب تو دریغ نیم نگہ — یار مت دیکھ نیم جان دل کو
آہ کیا کیجے یان بنایا ہے — دل گرفتہ ہی غنچہ سان دل کو
مرگیا، پس گیا، نہ کی پر آہ — آفرین ایسے بے زبان دل کو
دشمنی تو ہی اُس سے کرتا ہی — دوست رکھتا ہی یہ کہان دل کو
آزمانا کہین نہ سختی سے — دیکھیو میرے ناتوان دل کو
تو بھی جی مین اُسے جگہ دیجو — منزلت تھی اثر کے ہان دل کو

(۲)

منفعل تیغِ یار کے ہاتھون — مر گئے انتظار کے ہاتھون
جان سے ہم تو ہاتھ دھو بیٹھے — اس دلِ بیقرار کے ہاتھون
شعلہ سان اکدم قرار نہین — دل کے اب اضطرار کے ہاتھون

روبرو دیکھنا محال ہوا — دیدۂ اشکبار کے ہاتھون
کام اپنا اثر تمام ہوا — اس دلِ نابکار کے ہاتھون

(۳)

دیکھکر دل کو پیچ وتاب کے بیچ — آپڑا مفت مین عذاب کے بیچ
کون رہتا ہی تیرے غم کے سوا — اس دلِ خانمان خراب کے بیچ
تیرے آتش زدون نے مثل شرار — عمر کاٹی ہے اضطراب کے بیچ
شمع فانوس مین نہ جبکہ چھپے — کب چھپے ہی یہ رُخ نقاب کے بیچ
کیا کہون تجھسے مین اثر کہ اُسے — کس طرح دیکھتا ہون خواب کے بیچ

(۴)

لوگ کہتے ہین یار آتا ہے — کب مجھے اعتبار آتا ہے
دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا — دشمنی پر تو پیار آتا ہے
تیرے کوچہ مین بیقرار ترا — ہر گھڑی بار بار آتا ہے
زیر دیوار تو سُنے نہ سُنے — نام تیرا پکار آتا ہے
حال اپنے پہ مجھکو آپ اثر — رحم بے اختیار آتا ہے

(۵)

نہ کیا کچھ علاج آنکھو سے — جا چکا دل ہی اب تو قابو سے
دل ہی یہ یا کوئی چھلاوہ ہی — نکلے پڑتا ہے آہ پہلو سے
تیرے فریادیون کی یان ہی شب وروز — نہین لگتی زبان تالو سے
حرف نکلا نہ اس دہن سے کبھو — کام نکلے ہی چشم وابرو سے

اثر اس چشم شوخ فتان کے
نہ بچا کوئی سحر و جادو سے

(۶)

تیرے کوچہ مین آکے جو بیٹھے
جان سے اپنے ہاتھ دھو بیٹھے

گو مٹین ہم برنگِ نقشِ قدم
پر ترے در پہ آج تو بیٹھے

سب کا آوے نظر ثبات و قرار
گر ابھی تو دو چار ہو بیٹھے

روز اول ہی جا چکا تھا دل
آخر اب جان کو بھی رو بیٹھے

اپنی قسمت ہی اُٹھی ہے شاید
تیرے در پر اب آکے جو بیٹھے

اُٹھ گیا دل تو ساری باتون سے
ناصحو چاہو سو بکو بیٹھے

حال اپنا کسو سے کیا کہیے
ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے

ہمنشین اُٹھو میرے پاس سے تم
بیٹھو تو اسکی کچھ کہو بیٹھے

اُٹھے جاتے ہین یان سے جون شعلہ
شمع کی طرح ہم ہین گو بیٹھے

اپنی آنکھون کی طرح رو رو کے
ایک عالم کو ہم ڈبو بیٹھے

عہد و پیمان پہ انتظار مین یان
اے دل و دیدہ تم مرو بیٹھے

اُٹھ گیا سب جہان سے قول و قرار
یاد وعدہ کیا کرو بیٹھے

قطع سر سے کرے وہ راہِ عشق
شمع سان پانون گاڑ جو بیٹھے

اب اثر مین بہت نہین باقی
آن کے آن ٹک رہو بیٹھے

مرگِ یار

وارداتِ حالیہ

ہمسفر وادیِ ہستی مین وہ دلبر نہوا
شمع اس راہ مین اسکا رخِ انور نہوا

ہجر کا خوف کبھی اور کبھی ہجر کا رنج
چین گاہے دلِ مضطر کو میسر نہوا

تیر جو آے فلک سے ہدف انکا مین تہا
ظلم کہیے نہ کبھی اسکو جو مجہپر نہوا

درد اُٹھ اُٹھکے میرے دل مین ٹھہر جاتا ہے
کیون رگِ دل کی جگہ سینہ مین نشتر نہوا

یہ تماشا ہے جہان خواب ہے مین مانتا ہون
پر یہ کیون خواب میرے واسطے شب بھر نہوا

کس سے کیجے دلِ شیدا گلۂ تنہائی
مسند آرا مرے پہلو مین جو دلبر نہوا

ناز بیجا تو اُٹھایا ہی یہ مرنے والے
مین ترے نازِ بجا کا کبھی خوگر نہوا

تیرے جانے پہ گمان بڑھ گئی دہر کا تہا
تو گیا اور بپا دہر مین محشر نہوا

دل کو کیون موردِ احساس بنایا یارب
حسرت اسکی ہی کہ یہ دل ہوا پتھر نہوا

حیف اُس خون کی قسمت جو مژہ سے ٹپکے
قطرۂ اشک ہوا، بادۂ احمر نہوا

گر قضایاے جہان قابلِ تغیر نہین
کیون نہ کہیے کہ مرے واسطے داور نہوا

دل مین بیٹھا ہو کوئی، اس سے تسلی تو نہین
پردۂ دل مین جو ہی برسرِ منظر نہوا

قہر آلود نظر مین، نگہِ لطف بھی تھی
لطف فرما نہ رہا جب وہ ستمگر نہوا

باعثِ رنج ہے اُمید کا پیدا ہونا
یارب اس خرمنِ امید مین اخگر نہوا

غمزدہ

سلیمان

مطبوعاتِ جدیدہ

علم المعیشت، سالِ روان کی زندہ کتابون مین، پروفیسر محمد الیاس برنی کی علم المعیشت ہے
مصنف نے پولیٹکل اکانمی کا ترجمہ علم المعیشت کیا ہی، ہندوستان مین سب سے پہلے اس علم پر غالباً
۱۸۶۴ء مین دلی کالج کے ایک ہندو ماسٹر نے ایک کتاب لکھی تھی، پھر یہی کتاب کسیقدر ترمیم و تکمیل کے
بعد سائنٹفک سوسائٹی علیگڈھ کی طرف سے شایع ہوئی، اسوقت اس علم کا نام "انتظام مدن" قرار پایا، اسکے
بعد چند سال ہوئے میو کالج اجمیر کے ایک مسلمان پروفیسر نے ایک انگریزی کتاب کا کفایت شعاری کے نام سے
خلاصہ کیا، ڈاکٹر اقبال نے مصر کی تقلید مین اسکو علم الاقتصاد کے نام سے ملک مین روشناس کیا، اب علم المعیشت کی جدید
اصطلاح ہمارے سامنے ہی کتاب ۷۰۰ صفحہ پر تمام ہوئی ہے، نہایت تحقیق اور کاوش سے اور مجتہدانہ لکھی گئی ہے اور
کوشش کی گئی ہی کہ ہندوستان مین نامانوس فن کی حیثیت سے اُسکو پیش نکیا جائے اسی بنا پر
اکثر حسب ضرورت یورپ و امریکہ کی بجاے ہندوستان کے موجودہ مسائل کا حوالہ دیا گیا ہے،
عبارت سلیس اور روان ہی، تمام مباحث متعلقہ پر کافی بحث و شرح ہے، اسی قسم کی کتابین اُردو کے
سرمایۂ علم مین اضافہ کرسکتی ہین، طبع اعلیٰ، کاغذ متوسط، مجلد مطلا، قیمت ہے، پتہ، انسٹیٹیوٹ گزٹ علیگڈھ

تعزیت نامہ، ہر ممتاز شخص کی علحدہ لائف لکھنا مشکل ہی، مصر مین مفتی عبدہ کی
مستقل لائف نہین لکھی گئی، انکے شاگرد رشید، سید رشید رضا نے اخبارات، خطوط، مراثی، اور
تعزیتی تحریرون کا مجموعہ شائع کردیا کہ اس تودہ مین مرحوم کے حالات ہر شخص کو منتشر مل سکتے ہین،
اسی اصول پر شیخ محمد احسان الحق صاحب پروپرائٹر عصر جدید میرٹھ نے مغفور خواجہ غلام الثقلین کی وفات
اخبارات، اکابر ملک، اور قومی مجلسون نے جو کچھ کہا اور لکھا تھا، انکو تعزیت نامہ کے نام سے یکجا
کردیا ہے، خواجہ صاحب کے قوم پر بڑے احسانات ہین، انکا دماغ اسوقت بھی متین، سنجیدہ

ساکن اور برجا تھا، جب تمام ہندِ اسلامی سیماب یا برق پارہ تھا، شیخ صاحب کا ممنون ہونا چاہئے
اس سچے خادم کی خدمتگذاری کا کم ازکم ایک فرض اُنھون نے ادا کیا، ضخامت ۲۸ اصفحہ،
قیمت قسم اول ۲ٓ/، قسم دوم ۱ٓ/، پتہ: عصر جدید، میرٹھ،

خدماصفا: نواب حاجی محمد اسمعیل خانصاحب کا نام محتاج تعارف نہین، سردست
آپکی ایک نئی اور مفید تجویز یہ ہی کہ مختلف ہفتہ وار، روزانہ اُردو اخبارات مین جو علمی، ادبی، اقتصادی
اور صنعتی مضامین شایع ہوتے ہین، اُنکو وقتاً فوقتاً بخیال تحفظ رسالون کی صورت مین جمع کردیا جائے
تاکہ یہ جواہر ریزے اپنے کیسۂ پارینہ کے ساتھ ضائع ہونے پائین،
حاجی صاحب نے تجویز کے ساتھ ہی عملاً بھی اس کام مین حصہ لیا اور مختلف اخبارون سے
مضامین لیکر خدماصفا کے نام سے ایک کتاب کی صورت مین ترتیب دیکر شایع کیا ہی، انتخاب
برا نہین، زیادہ تر اخبار وکیل کے مضامین ہین، اور وہی خصوصیت کے ساتھ پڑھنے کے لائق بھی
ہین، حجم ۳۰۶ صفحہ، طبع و کاغذ متوسط، قیمت نامعلوم، پتہ: دفتر رسالہ افادہ، آگرہ،

خطبات غربیہ، خواجہ کمال الدین صاحب کے چار اُردو لکچرون کا مجموعہ عنوانات
حسب ذیل ہین،
(۱) میری مرضی نہین بلکہ تیری مرضی، (۲) خدا کی کامل تصویر، (۳) اسلام بتبسمہ التکثیر ہے
(۴) الہام ایک فیض ربوبیت ہے، تقطیع چھوٹی، صفحات ۶۳ قیمت ۵/، پتہ: عزیز منزل
احمدیہ بلڈنگس نو لکھا، لاہور،

فتاویٰ شریفی و مجموعہ ہاے علم فرائض، ہندوستان کے گذشتہ علماے مشاہیر
مین فقیہ علی مخدوم مہائمی کا نام نہایت روشن ہے، انکی تفسیر عربی ارباب باطن مین نہایت
مقبول ہے، شکر ہی کہ انکا خاندان منقطوع، اور اُس سے علم مفقود نہین ہوا، انکے پوتے مولوی

حافظ میر فضل اللہ صاحب نے علم فرائض کے تمام مسائل و متعلقات کو پانچ رسالون مین نہایت شرح و بسط کے ساتھ اردو زبان مین تحریر کیا ہے، جس سے مصنف کی اس علم پر بڑی بالغ نظری اور مہارت تامہ ظاہر ہوتی ہے، متعدد نقشون اور جدولون کے ذریعہ سے ذوی الارحام کے حصون کی تفصیل کی ہے، ترتیب اور طرز تحریر قانونی ہے، وکالت پیشہ حضرات کے لئے نہایت مفید ہوگا، مولوی میر عبدالرزاق وکیل درجۂ اول حیدرآباد سے اسکے لئے مکاتبت کیجئے،

شرح دیوان غالب، تمام شعراے اُردو مین صرف مرزا غالب کو یہ فخر حاصل ہے کہ لوگون نے انکے اُردو دیوان کی شرحین لکھین، احاطۂ مطالب اور تشریح معانی مین مولانا طباطبائی کی شرح گو سب سے بہتر ہے، لیکن اختصار، اجمال، اور صحتِ بیان مین مولوی حسرت موہانی کی شرح بھی اچھی ہے، یہ شرح اب چوتھی دفعہ شائع ہوئی ہے، آخر مین بعض غیر مطبوعہ کلام بھی شامل ہی قیمت عہ، دفتر اردوے معلی، علی گڈھ،

رویت ہلال، پھلواری کے سجادہ نشین خاندان کو ہندوستان کی اکثر صوفی خاندانون پر ایک مزیت یہ حاصل ہی کہ یہان علم و عمل، ظاہر و باطن، شرع و طریقت، پہلو بہ پہلو اور ہمدوش ہین صوفی ہونیکے ساتھ علوم ظاہری مین تبحر و کمال بھی یہان ایک جز و ضروری ہے، رویت ہلال کا مسئلہ فقہا مین مختلف فیہ ہے کہ آیا ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کیلئے معتبر ہوسکتی ہی یا نہین، حضرت شاہ **بدرالدین** صاحب دامت فیوضہ العلیا سجادہ نشین پھلواری نے اس مسئلہ پر احادیث و روایات فقہ کی بنا پر محقق بحث کی ہے، موضوع، علما کے التفات کے لائق ہے ہم بھی اس فرض کے ادا کرنیکی کوشش کرینگے، شعبان کا نمبر اسکے لئے خاص طور پر موزون ہوگا۔

دفتر معارف پھلواری ضلع پٹنہ سے طلب کیجئے،

مجلد اول | ماہ رجب ۱۳۳۵ھ مطابق مئی ۱۹۱۷ء | عدد یازدہم

مضامین